فاتحہ مروجہ یعنی کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی مختلف سورتیں اور آیتیں تلاوت کرنا، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب سے متعلق منکرین کے اعتراضات کے مدلل و مفصل جوابات پر مبنی کتاب مستطاب

فیضانِ رحمت
بعد از دعائے برکت

مصنفہ

صدر الافاضل حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین قادری مفسر و محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

حاشیہ، تخریج و تقدیم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دار الافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خان کاشی پور اتراکھنڈ

شائع کنندگان
فارغین درجۂ تخصص و فضیلت جامعہ نعیمیہ مرادآباد

فاتحہ مروجہ یعنی کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی مختلف سورتیں اور آیتیں تلاوت کرنا، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مرحومین کے لیے ایصال ثواب سے متعلق منکرین کے اعتراضات کے مدلل و مفصل جوابات پر مبنی کتاب

فیضانِ رحمت بعد از دعاے برکت

مصنفہ

صدر الافاضل حضرت سیّد محمد نعیم الدین قادری مرادآبادی قدس سرہ

حاشیہ، تخریج وتقدیم

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ

شائع کنندگان

فارغین درجہ تخصص وفضیلت جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔۱۴۴۱ھ۔۲۰۲۰ء

نام کتاب	:	فیضانِ رحمت بعد از دعاے برکت
مصنف	:	صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ
تحشیہ، تخریج، تقدیم	:	محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
		نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ
پہلا ایڈیشن	:	1902ء
جدید پہلا ایڈیشن	:	2010ء
جدید دوسرا ایڈیشن	:	اپریل/2020ء
صفحات	:	184
تعداد	:	1100
تقسیم کار	:	فارغین درجہ تخصص وفضیلت جامعہ نعیمیہ مرادآباد

انتساب

احقر اس کاوش کو
دنیاے سنیت کے مشہور، معتمد، مستند، عالم دین، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے سرپرست اعلیٰ، ماہنامہ "معارف رضا" کے مدیر اعلیٰ، مرشد مجازی، پیر طریقت، صوفی باوصفا، ترجمان مذہب اہل سنت، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، ہمدرد قوم وملت، مفکر اسلام، ادیب شہیر، نبیرہ خلیفہ اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ ہدایت رسول رامپوری، حضرت علامہ مولانا شاہ صوفی

سید وجاہت رسول قادری قدس سرہ

کے نام نامی سے معنون کرتا ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو غریق رحمت فرمائے، درجات بلند فرمائے۔ اور حضرت کو اپنی رضا وخوشنودی عطا فرمائے۔ اوران کے فیوض وبرکات سے مجھ حقیر اور دیگر وابستگان بارگاہ کو مستفیض فرمائے۔

آمین۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

نیاز مند: محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی غفرلہ ولوالدیہ
نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

فہرست مضامین

دعائیہ کلمات

نمونہ اسلاف حضرت علامہ مولانا محمد یامین صاحب نعیمی دام ظلہ

مہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اللہ تعالیٰ کا بے پناہ فضل و کرم اور احسان ہے کہ آقائے نامدار تاجدارِ دوعالم رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل احقر کو فخر الاماثل صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کی خدمت کرنے کا موقع عطا فرمایا۔ امسال اس تاریخ ساز ادارے کے قیام کو سو سال مکمل ہو رہے ہیں۔

احقر کی دلی خواہش تھی کہ حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی نایاب تصنیفات کو دوبارہ منظر عام پر لایا جائے۔ نیز حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کتب پر تخریج اور حاشیہ نگاری کے ساتھ ان کی ترتیب بھی جدید انداز میں کر دی جائے تاکہ دورِ جدید کے قارئین کو مطالعے میں آسانی میسر ہو۔

آج باطل طاقتیں اور منافقین سیدھے سچے مسلمانوں کو بہکا کر انہیں اسلاف کے کارناموں وطریقہ کار سے بد ظن کر کے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم جدید نسل کو اسلاف کے اُن کارناموں سے روشناس کرائیں جو انہوں نے انتہائی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے انجام دیئے، اور دورِ جدید کے تمام مسائل کا حل قبل از وقت پیش کر دیا تھا تاکہ مخالفین کو دندان شکن جواب دے کر ہم اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت کر سکیں۔

زیر نظر کتاب کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب کے حاشیہ اور تخریج کی خدمت نوجوان عالم دین فرزند جامعہ نعیمیہ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی ککرالوی سلّمہ نے انجام دی۔ نیز ایک طویل ابتدائیہ بھی قلم بند کیا جس میں کتاب کا پس منظر اور صاحب کتاب کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کرنے کی سعی جمیل کی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو محنت شاقہ کی اور عدیم الفرصتی کے باوجود جس طرح اس کام کے لیے وقت نکالا، اُس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرما کر دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ ان کی جستجو اور تحقیق و تصنیف کے تعلق سے لگن کو دیکھتے ہوئے یہ اُمید ہے کہ ان کا مستقبل تابناک اور عالم سنیت کے لیے فیض کا منبع ہو گا۔

آخر میں صاحبزادہ گرامی وقار حضرت علامہ سید وجاہت رسول صاحب علیہ الرحمہ سابق مدیر "ماہنامہ معارف رضا" وناظم اعلی ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، کا ذکر خیر بھی ضروری سمجھتاہوں۔ حضرت علیہ الرحمہ نے کتاب کی دوسری اشاعت ۲۰۱۰ء کے موقع پر مفتی ذوالفقار سلمہ کے کہنے پر کتاب فیضان رحمت کے لیے ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا تھا لیکن افسوس وہ غلطی سے پچھلے ایڈیشن میں شائع ہونے سے رہ گیا تھا، حضرت کی حیات مبارکہ میں اس قیمتی مضمون کی اشاعت نہ ہونے کا ہمیں بہت افسوس رہا۔ البتہ تازہ اشاعت میں مقدمہ کو شامل کیا جارہاہے۔ اوراللہ پاک کی بارگاہ میں دعا کی جاتی ہے کہ اللہ کریم حضرت کو غریق رحمت فرما کر حضرت کے درجات بلند فرمائے۔ اور تربت انور پر اپنے فضل، رحمت، کرم اورانوار کی بارش نازل فرمائے۔ اوراس مقدمہ کے سبب اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ آمین بجاہ النبی الحبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد یامین نعیمی اشرفی عفی عنہ

۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ مہتمم مدرسہ جامعہ نعیمیہ، دیوان کا بازار مرادآباد

تقریظ جمیل

عمدۃ المدرسین، استاد العلما حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان نعیمی برکاتی صاحب دام ظلہ واقبالہ، زیب مسند افتا و تدریس جامعہ نعیمیہ مرادآباد

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

امابعد: فاتحہ بہیئت مروجہ کہ کھانا سامنے رکھ کر درود شریف و قرآن کریم پڑھ کر ثواب اس کا بنام میت کرتے ہیں اور بطور تبرک ضیافت کے کھانے پر پڑھتے ہیں، بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اموات کو ثواب پہنچانا، برکتیں حاصل کرنا ثابت ہے۔ اور اس بارے میں احادیث صحیحہ اور فقہی روایتیں بکثرت وارد ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ۔ الحدیث۔

یعنی جو تم میں سے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے تو اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ فائدہ پہنچائے۔

نیز سنن ابو داؤد و سنن نسائی میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

انہ قال یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء قال فحفر بیرا وقال ھٰذہ لام سعد۔ الحدیث۔

یعنی انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری ماں کا انتقال ہو گیا تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی۔ انہوں نے کنواں کھود کر کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ اس سے صاف متبادر ہے کہ جب تک کنواں باقی رہے گا اس کا ثواب بحکم ھٰذہ لام سعد، سعد کی ماں کو ملتا رہے گا۔

اور ایک حدیث میں ہے:

ان اللہ عزوجل لیعطی العبد علی نیتہ ما لا یعطیہ ۔ الحدیث

یعنی بے شک اللہ عزوجل بندہ کو اس کی نیت پر وہ ثواب دیتا ہے جو اس کے عمل پر نہیں دیتا ہے۔ (رواہ البیہقی)

منکرین کے امام اسماعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں اس اجتماع کو بہتر کہا ہے، حیث قال:

ہر گاہ ایصال نفع بمیّت منظور دارد موقوف بر اطعام نہ گزارد، اگر میسر باشد بہتر ست والّا صرف ثوابِ سُورۃ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہا است۔

یعنی جب میّت کو نفع پہنچانا منظور ہو تو کھانا کھلانے پر ہی موقوف نہ رکھے، اگر میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف سُورہ فاتحہ واخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔

بلکہ ایک جگہ خود یہ امام الطائفہ میاں اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود اور اذبح کر دوپختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔

یعنی اگر کوئی شخص گھر پہ بکری پالے تا کہ اس کا گوشت عمدہ ہو پھر اسے ذبح کر کے پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

لہٰذا بات یہی ہے کہ فاتحہ و دعاے برکت ایصال ثواب کا نام ہے۔ اور مومن کا عمل نیک کا ثواب ایک تو نیت کرتے ہی حاصل ہو جاتا ہے اور عمل کرنے پر مزید ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

نیۃ المومن خیر من عملہ ۔ الحدیث۔

یعنی مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

اس فاتحہ مروجہ کے ثبوت میں استاد العلما والفقہا عمدۃ المفسرین حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل سید محمد نعیم الدین صاحب قادری علیہ الرحمۃ والرضوان صاحب تفسیر خزائن العرفان وبانی جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآبادی علیہ رحمۃ

اللہ الھادی، نے بنام **"فیضان رحمت بعد از دعاے برکت"** اپنی تحریر پر انوار بشکل کتاب عطا فرمائی۔ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی اہمیت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت سے اظہر من الشمس و اجلی من القمر ہے۔

کتاب پر تخریج، تحشیہ تقدیم اور ترتیب جدید کا کام محب گرامی حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار صاحب نعیمی مفتی اتراکھنڈ نے بڑی محنت سے کیا ہے۔ قرآنی آیات واحادیث کا ترجمہ، فقہی عبارات اور عربی وفارسی اشعار وامثال کا ترجمہ نیز بہت سے مقامات پر قدیم اردو عبارات کو جدید اردو انداز میں تبدیل کرتے ہوئے کتاب کے دقیق الفاظ اور عبارات کو سہل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے، تاکہ عوام وخواص کو اس کتاب کے مسائل و دلائل سمجھنے میں پریشانی نہ ہو۔ اس کے لیے وہ بجاطور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ دعا ہے اللہ پاک مفتی صاحب موصوف کو اس کار خیر کا بہتر صلہ دنیاوآخرت میں عطا فرمائے، اور مزید دین کی خدمت کی توفیق عطا کرے۔ اور ہر محاذ پر کامیابیاں نصیب کرے۔

طباعت ایک امر مشکل ہے لیکن ہیچ مشکلے نیست کہ آسان نشود۔ مبارک باد کے لائق ہیں **جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے اس سال(۲۰۲۰ء) فضیلت سے فارغ ہونے والے طلبا** جنہوں نے اس کتاب کی طباعت اپنے ذمہ لے کر ایک اہم اور قیمتی کتاب کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ دعا ہے اللہ پاک تمام طلباے فضیلت کو دارین کی نعمتوں سے نوازے۔ ان کے علم و عمل اور عمروں میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور انہیں خوب مذہب و مسلک کی ترویج واشاعت کی توفیق بخشے۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر میں اپنے مشفق ومہربان استاد حضرت علامہ مولانا محمد یامین صاحب نعیمی مدظلہ مہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد، کا ذکر خیر نہ کروں جن کی تحریک اور کوششوں سے ایک صدی بعد یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ دعا ہے اللہ پاک اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل حضرت کو صحت وسلامتی

کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے اور حضرت کا سایہ عاطفت ہم پر دراز فرمائے۔
خداوند قدوس اس کتاب کے ذریعہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کو مضبوطی بخشے اور دشمنان اسلام کے مکر و فریب سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

راقم الحروف محمد سلیمان نعیمی برکاتی
جامعہ نعیمیہ مرادآباد
مورخہ ۲۵/ جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ
مطابق ۲۰/ فروری ۲۰۲۰ء۔ بروز پنجشنبہ

کلماتِ جمیلہ

نبیرہ مناظر اعظم مولانا ہدایت رسول رامپوری حضرت العلام صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری قدس سرہ، سابق صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل و مدیر اعلیٰ معارف رضا کراچی (پاکستان)

فیضان رحمت بعد از دعاے برکت

صورتِ خوبت نگارا خوش بہ آئیں بستہ اند
گوئیا نقشِ بست از جانِ شیریں بستہ اند

زیرِ نظر کتاب "فیضانِ رحمت بعد از دعاے برکت" (اشاعتِ اوّل: ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) مصنفہ حضرت صدرالافاضل بدرالماثل علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۸ء) کی کمپوز شدہ کاپی محب من فاضل نوجوان، عزیزِ کریم حضرت مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی زید مجدہٗ کی معرفت بذریعہ ای میل فقیر ہیچمدان کو ملی۔ موصوف نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ مذکورہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن تخریج اور حاشیہ کے ساتھ مرادآباد سے جلد شائع ہونے جارہا ہے۔ انہوں نے اس ہیچمدان سے حسنِ ظن رکھتے ہوئے یہ بھی حکم فرمایا کہ میں اس پر ایک تبصرہ تحریر کردوں۔ احقر نے محشّی وعزیزی جناب ذوالفقار نعیمی صاحب کی تحریروں میں علم حقیقی و نافع کے حصول و ابلاغ کا جذبہ اور علماے راسخین کی مسموعات و محفوظات کی نشرو اشاعت کا ذوق و شوق بدرجہ اتم پایا ہے۔
اگرچہ راقم اپنی علمی کم مائیگی کی بناپر خود کو زیرِ نظر دینی و علمی کتاب پر تبصرہ نگاری کا اہل نہیں سمجھتا اور نہ یہ اس کا مقام و منصب ہے، لیکن حضرت محشی کی دل جوئی اور حصولِ برکت کی خاطر چند جملے سپردِ قلم کر رہا ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

علما جسدِ ملت میں دماغ کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ہر قوم اپنے علما کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے، لیکن اہلِ اسلام کے نزدیک علما کا مقام و مرتبہ اس سے بھی سوا اور کچھ زیادہ ہی عزت و شان والا ہے۔ اَعْلَمِ کائنات، عالِمِ مَاکَانَ وَمَا یَکُون، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی لوگوں کی ہدایت کے لیے دنیا میں نہیں آئے گا۔ لہٰذا امت مسلمہ کے علما ہی قیامِ قیامت تک انسانیت کی رہبری و رہنمائی، اصلاحِ معاشرہ، تزکیۂ نفس، تبلیغ دین اور اشاعتِ علم و حکمت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مانند ہیں (مفہوم)۔ گویا علماے اسلام، انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ورثۂ العلمی کے سچے وارث اور ان کے جانشین ہیں۔

حضرت علامہ ابن عبد البر اندلسی (م ۴۶۳ھ) علیہ الرحمۃ، امیر المؤمنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ایک شعر کے حوالے سے علماے حق کے مقام و مرتبہ اور منصب کا بیان فرماتے ہیں:

ما الفضل الا لاھل العلم انھم — علی الھدی لمن استھدی ادلاء

ترجمہ: ہاں فضیلت ہے تو صرف اہلِ علم کو ہے، وہی طالبانِ ہدایت کے رہنما ہیں۔

(ملاحظہ ہو۔ العلم والعلماء، اردو ترجمہ: جامع بیان العلم وفضلہ، مترجم: عبد الرزاق ملیح آبادی، ص: ۵۰، ادارۂ اسلامیات، لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء)

پرانا مقولہ ہے:

"جید عالم وہ ہے جو اپنی بہترین مسموعات لکھتا ہے، اپنی بہترین مکتوبات حفظ کرتا ہے اور اپنی بہترین محفوظات روایت کرتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال پر کہ حقیقت میں عالم کون ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا: کہ ایمان کی سب سے مضبوط گرہ،

اللہ کے نام پر دوستی، اللہ کے نام پر محبت اور اللہ ہی کے نام پر نفرت ہے۔ سب سے افضل وہ ہے جس کا عمل سب سے افضل ہے، بشرطیکہ اپنے دین میں تفقہ (سمجھ) رکھتا ہو۔ سب سے بڑا عالم وہ ہے جو لوگوں کے اختلاف کے وقت بھی حق کو پہچانتا ہے، اگرچہ عمل میں کوتاہ ہو۔" (مفہوم)

دیکھا جائے تو ایسی خوبیوں کے حامل علما تاریخ اسلام کے ہر دور میں ہوئے جو بھٹکے ہوؤں کو حق و سلامتی کی راہ دکھاتے اور بدمذہب اور دین سے برگشتہ لوگوں کو دین اسلام کی سچائی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لذت سے آشنا کرتے ہیں۔ یہی علما علمائے حق کہلانے کے مستحق ہیں اور انہی کا علم اقبال کی زبان میں "تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم" کا عکاس ہے۔

برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو دورِ آخر میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی اور ان کے حلقہ بگوش علما ہی اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ ان حلقہ بگوش علما میں حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی نوراللہ مرقدہ (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء۔۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) ایک ممتاز مقام کی حامل شخصیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بارگاہِ رضویت سے "صدر الافاضل" اور "بدرالماثل" کے خطاب سے نوازے گئے اور ساتھ ہی سلسلۃ العالیۃ القادریہ البرکاتیہ الرضویہ کے علاوہ دیگر سلاسل کی سند و اجازت و خلافت کے خلعتوں سے بھی سرفراز کیے گئے۔ بارگاہِ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت میں صدر الافاضل کے مقامِ تقرب اور امامِ اہلسنّت کا ان کی علمی صلاحیت پر اعتماد کا اندازہ تین باتوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ جب خوارجِ زمانہ یا کفار و مشرکین سے مناظرہ کا معاملہ ہوتا تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی ترجیحی نظرِ انتخاب اوّل صدرالافاضل پر ہوتی۔

۲۔ اہلِ سنت والجماعت کے اندرونی مناقشوں یا بین العلما اختلافِ فکر ورائے کی صورت میں بطور پیامبر صلح و یکجہتی آپ ہی کی شخصیت منتخب ہوتی تھی۔ چوں کہ معاملہ

فہمی، تدبر، حلم، رواداری اور فریقین سے ان کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے دلائل و براہین کی زبان میں گفتگو آپ کی شخصیت کا خاصّہ تھا۔

۳۔ بلاشبہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو قرآن حکیم کے اردو ترجمے پر راغب کرانا اور پھر ان کی زندگی کی عدیم الفرصت شب و روز سے فرصت کے لمحات مستعار لے کر قرآنِ کریم کا معرکۃ الآرا ترجمہ معنون بہ ''کنزالایمان'' صفحہ قرطاس پر لانا حلقہ بگوشِ اعلیٰ حضرت، ایک اور عظیم ناموراور جید عالم حضرت صدرالشریعہ، بدرالطریقہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی کا ایک عظیم کارنامہ ہے جو بارگاہِ رضویت میں ان کے چہیتے ہونے کا مظہر ہے۔ لیکن اس کنزالایمانی ترجمے کی نظر ثانی، کتابت، تصحیح خود اپنے تفسیری حاشیہ (خزائن العرفان) کے ساتھ طباعت و اشاعت بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا جو اعلیٰ حضرت کا صدرالافاضل کی علمِ تفسیر پر کامل دسترس اور امورِ طباعت و اشاعت میں ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کا غماز ہے۔

سبحان اللہ! کنزالایمان اور خزائن العرفان کی ایک ساتھ اشاعت اعلیٰ حضرت اور صدرالافاضل کی آپس کی اخلاص فی اللہ کی محبت و مؤدت کا ایک ایسا علم ہے جو ان شاء اللہ صبحِ قیامت تک لہراتا رہے گا بلکہ بروزِ حشر دونوں عاشقانِ رسول اسی علم کے سائے تلے بارگاہِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والثناء میں خدمتِ اقدس کے قدسیوں کے اشارے پر ''مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' پڑھتے ہوئے اپنے عقیدت مندوں کے ہجوم کے ساتھ باادب حاضر ہوں گے۔

یہ امر غور طلب ہے کہ کنزالایمان پر حاشیہ یا تفسیر لکھنے کی اس وقت بھی بڑی فاضل، اہل اور قابلِ احترام شخصیات موجود تھیں اور اس کی متمنی بھی تھیں، جن کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں لیکن ''قرعۂ فال بنام مَنِ دیوانہ زدند'' کے مطابق اعلیٰ حضرت نے اس کی اجازت بخوشی صدرالافاضل کو بخشی۔ اس کی اشاعت کے بعد متعدد ذوی الاحترام علمانے کنزالایمان پر حاشیہ اور تفسیر لکھی لیکن ''کنزالایمان'' کو ''خزائن

العرفان'' کے ساتھ جو مقبولیت حاصل ہوئی، وہ اظہر من الشمس ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

غرضیکہ خزائن العرفان اور کنزالایمان اب لازم وملزوم ہو چکے ہیں۔ چوں کہ خزائن العرفان اسی زبان وبیان اور اسلوب میں لکھی گئی جو کنزالایمان کا ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ کنز الایمان کی پوشیدہ خوبیوں کو اجاگر کرتی ہے جن پر عوام تو عوام، علما کی بھی نظر نہیں جاتی۔

خزائن العرفان کی خوبیوں پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ دفتر کے دفتر بھرے جاسکتے ہیں۔ صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے علمی کارناموں میں یہ ایک بلند پایہ کام اور قرآن پاک کے اردو تفسیری ذخیرے میں ایک بہترین اضافہ ہے۔ اس میں ایجاز بھی ہے اور اعجاز بھی۔ خزائن العرفان علمِ تفسیر، اصولِ تفسیر، علمِ حدیث، اصولِ حدیث اور اردو، عربی فارسی، تینوں زبانوں پر ان کی کمال قدرت کا شاہکار ہے۔

کنزالایمان اور خزائن العرفان کے بارے میں ناقدین اور قادحین نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے لیکن اس کے پس پردہ جو حقیقت ہے وہ ہی ان دونوں علمی کاوشوں کی فضیلت اور ہم عصر مترجمین ومفسرین کی ''شاہکار'' نگارشات پر ایک گونہ فوقیت کا مظہر ہے۔ چنانچہ اس دور کے ایک محقق عالم اور ہمدرد یونیورسٹی کراچی کے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ریسرچ ڈائریکٹر علامہ مولانا فضل قدیر ندوی (م ۲۰۰۷ء) اپنے ایک مقالے میں رقم طراز ہیں:

''ترجمے اور طرزِ ادا میں اگر بے احتیاطی کی جائے گی تو دین کے تصورات اس کے احکام اور الوہیت ورسالت سے متعلق معتقدات میں بھی تغیرات پیدا ہو جائیں گے۔

اکثر وبیشتر تراجم سے مجموعی تاثرات یہی پیدا ہوئے، اس لیے کہ ترجمے کے سارے تقاضے ملحوظ نہیں رکھے گئے اور ان تراجم سے غلط استدلال اور مسخ احکام کی راہیں کھل گئیں۔ ناقدانہ جائزے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ سب کچھ اتفاقی طور پر نہیں ہوا بلکہ رسالت والوہیت اور دین وشریعت کے ایک خاص تصور کی اشاعت کے لیے قرآنی

تائید کے حصول کی منظم کوششوں کے تحت ہوا اور مسلمانوں کے اجتماعی دینی اور اعتقادی مزاج میں فساد پیدا کر دیا جس کی اصلاح بہت ضروری ہو گئی تھی۔

اس پس منظر میں حضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمہ کنزالایمان اپنی منفرد خوبیوں کے ساتھ جب سامنے آیا تو مدح کے بجائے قدح کا موضوع بن گیا، اس لیے کہ اس ترجمے سے سابقہ مترجمین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہونے لگا۔ اس کی اہمیت اور اس کے محاسن کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئیں پھر بھی کنزالایمان کو ایک انقلابی ترجمے کی حیثیت حاصل ہوئی۔

ناقدین اور قادحین نے کنزالایمان کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا، لیکن ان کے سارے سرمایۂ قدح کو اگر جمع کر کے بے لاگ جائزہ لیا جائے تو صرف ایک اعتراض سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ترجمے میں ان کے مذعومات اور عقائد پر ضرب پڑتی ہے، حالانکہ محلِ اعتراض یہ بات ہونی چاہیے تھی کہ فلاں آیت کا ترجمہ الفاظِ قرآنی کے مقتضیات عربیت کے اسالیب اور احادیث و سنن سے متناقص ہے یا اجماع کے خلاف ہے۔ اگر یہ عیوب اس میں نہیں ہیں تو محض شخصی اور گروہی مزعومات کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو موردِ طعن نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

اس کنزالایمان پر حضرت صدرالافاضل مفسر قرآن مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حواشی خزائن العرفان کے نام سے نظر نواز ہوئے تو نالہ و خروش میں اور شدت آگئی۔ حالانکہ خزائن العرفان میں کوئی بات بے حوالہ نہیں کہی گئی ہے۔ اگر حدیث کا حوالہ ہے تو اس میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ وہ صحاح کی ہو۔ اگر تاریخ و سیرت کا حوالہ ہے تو وہ اساطین کتب سے ماخوذ ہو، اگر فقہی اشارہ ہے تو فقہ حنفی کی مستند کتابوں سے مقتبس ہو، یعنی تحقیقی سائنس کے تمام وسائل اور مسلمہ اصولوں کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ بے لاگ مطالعے سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ سارے اہتمامات کیے گئے ہیں۔

ثبوت کے لیے قرآن کریم بہ سلسلہ میراث کلالہ پیش خدمت ہے:

یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکللة (النساء:۱۷۶)

ترجمہ: اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں، تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ (کنز الایمان)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بیمار تھے تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے، حضرت نے وضو فرما کر آبِ وضو اُن پر ڈالا، انہیں افاقہ ہوا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو حضور تشریف فرما ہیں، عرض کیا، یارسول اللہ، اپنے مال کا کیا انتظام کروں؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جابر میرے علم میں تمہاری موت اس بیماری میں نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے: لااراك میتامن وجعك ھذا (ف، ق، ندوی)

آپ نے ملاحظہ فرمایا، مفسر نے اپنی طرف سے کوئی بات لکھی؟ صرف ایک حدیث لکھی اور وہ بھی ابو داؤد کی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے یا مفسرین میں سے کسی نے اس کے علاوہ اس کی تغلیط بھی نہیں کی ہے اور میراثِ کلالہ کے سلسلے میں باتفاق محدثین یہی حدیث ہے اور مولانا نعیم الدین صاحب نے حاشیے میں یہ حدیث لکھ دی ہے۔ پس منظر میں خود ابو داؤد نے بھی حدیث پیش کی ہے، اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ ہنگامہ کیا جائے۔ شاید خزائن العرفان کے مصنف مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا یہ گناہ ہو کہ انہوں نے ایک ایسی حدیث کیوں نقل کی جس سے یہ بھی صاف اور عیاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم انسانی حیات و موت پر محیط ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ حدیث ہے، یہ صفت ہم نے تو حضور کی جانب سے منسوب نہیں کردی۔ راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ خود ہیں اور نقد رجال اور نقد متن کے کسی فاضل نے اس میں کوئی سقم نہیں بتایا ہے۔ پھر فاضلِ بریلوی یا مصنف خزائن العرفان پر اعتراض کیا ہے؟"

(سالنامہ "معارفِ رضا" ۱۹۹۴ء، ص: ۴۰، ۴۱)

خزائن العرفان کی اہمیت کے پیشِ نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ فاضل نوجوان مولانا مفتی ذوالفقار نعیمی زید مجدہٗ کی طرح کوئی صاحبِ دل محقق سامنے آئے اور کنزالایمان اور خزائن العرفان پر تخریج و تحشی اور تسہیل کا کام کرے تو بلامبالغہ عرض کرتا ہوں کہ خزائن العرفان کی دس ضخیم جلدیں باآسانی مرتب ہوسکتی ہیں۔۔ شاید اس طرح ہم اپنے محسنِ ملّت علیہ الرحمۃ کے قرض کا کچھ حصہ ادا کرنے میں کامیاب ہوجائیں اور عند اللہ ماجور ہوسکیں! فاضل محشی اور تخریج نگار نے زیرِ تبصرہ کتاب کے ابتدائیہ میں صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی شخصیت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی کاوش کی ہے لیکن پھر بھی اسے اس نادرِ زمن اور عبقری شخصیت کا خاکہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود مختصر وقت میں رسالے کے قاری کو مصنف علیہ الرحمۃ کی عظیم شخصیت سے کماحقہ تعارف کے لیے یہ ایک مفید مضمون ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد قاری کی نگاہوں کے سامنے ایک قد آور علمی شخصیت کی شبیہ ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ البتہ صدرالافاضل کی مدبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں پر کچھ مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے کہ تدبیر، تفکر، رہبری و رہنمائی کی صلاحیتیں ان کی پرکشش شخصیت کے روشن پہلو تھے اور اگر برصغیر پاک وہند میں صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت قائم ہوتی تو ”صاحبِ امروز“ کی مسند پر تشریف فرما ہونے کے وہ ہی اہل ہوتے۔

مذکورۃ الصدر کتاب کے مرتب و محشی حفظہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ میں صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت کی بڑی جامع عکاسی کی ہے:

”حضور صدرالافاضل کی شخصیت کے معتبر و مستند ہونے اور ماہر علومِ شریعت ہونے میں کس کو شبہ ہے؟ سوائے جاہل، متعصب، حاسد کے، آپ کی شخصیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جو سیاست سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی آپ کی شخصیت سے واقف ہیں، جو مناظر ہیں ان سے بھی آپ کی ذات مضمر نہیں، جو مسافرِ راہِ طریقت ہیں وہ بھی آپ کو جانتے ہیں اور جو علومِ شرعیہ نبویہ کے ذمہ دار ہیں وہ بھی۔“

ایسی جامع العلوم شخصیت کے نوکِ قلم کی جو کتاب بھی مرہونِ منت ہو گی وہ یقیناً اہلِ علم و فہم کی آنکھوں کا تارا ہو گی۔ لہٰذا **"فیضانِ رحمت"** بھی اسم بامسمّی کتاب ہے۔ حضرت العلام علیہ الرحمۃ کے علم و قلم کی جولانیاں ہر ہر جملہ سے آشکارا ہیں۔ پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے لکھتے وقت نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عاشق کے قلب پر رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا۔

قلتِ وقت اور قرطاس کی کمی کے باعث اس کی چند خوبیوں کی طرف صرف اشارہ ہی کیا جاسکتا ہے۔

(۱) یہ کتاب آج سے تقریباً ۱۱۰ سال قبل (۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) میں لکھی گئی لیکن اس کا موضوع آج بھی عوام و خواص اور موافق و مخالف سب کے لیے اتنا ہی کشش رکھتا ہے بلکہ رفتارِ زمانہ کے ساتھ اس کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ کیوں کہ اس کا مآلِ کار انبیا، صدیقین، شہدا، صالحین اور عامۃ المسلمین کی ارواح سے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' کی بنیاد پر تعلق استوار کرنا اور حصول فیض و برکت سے جو ہر انسان کی بشرطیکہ وہ مومن ہے، دلی تمنا ہے۔

(۲) کتابِ مذکور کی تقریب تحریر میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے کیوں کہ یہ تصنیف صدرالافاضل نے ایک ولیِ کامل، کاشفِ اسرارِ حقیقت، غواصِ بحرِ طریقت، ماہر علومِ شریعت، اپنے شیخِ طریقت، استاذ صاحبِ فضلیت، حضرت علامہ مفتی مولانا محمد گل محدث کابلی علیہ الرحمۃ (۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء۔ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء) کی محبت اور ان کی کتاب **"دعاے برکت برطعامِ ضیافت، دعاے اموات بوقت جمعرات"** کی تائید و مدح اور اس کے ناقد اور عقائدِ اہلِ سنت کے مخالف منشی شمس الدین مرادآبادی خارجی کی افترا و اختراع "اتباع السنۃ خیر للامۃ" کے ردّ میں لکھی ہے۔

(۳) صدرالافاضل علیہ الرحمۃ نے جس سنجیدہ، عالمانہ اور محققانہ انداز میں جانب مخالف کی کتاب کے مندرجات اور مضامین کا تجزیہ اور حضرت مولانا محمد گل صاحب

علیہ الرحمۃ کی مذکورہ بالا تصنیف سے دلائل وبراہین کی کسوٹی پر اس کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے وہ ان کے بلند علمی معیار اور تحقیقی مزاج کا غماز ہے۔ ان کے اس بلند پایہ اندازِ نقد و نظر نے اپنے پیر و مرشد کے مخالف منشی خارجی کی کتاب کو بے ربط و ضبط اور مضحکہ خیز مضامین کا پلندہ ثابت کر دیا۔ البتہ جانبِ مخالف کے جہلا کے لیے یہ ایک تحفہ ہو سکتا ہے۔

(۴) زیرِ بحث کتاب کے مطالعہ سے قاری کو حضرت مصنف کی تحریر و تصنیف کی گونا گوں خوبیوں سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ

☆ آپ کسی بھی کتاب کے مطالعہ بالتفہیم کے قائل تھے۔ اس کو جدید مغربی محقق Reading with understanding سے تعبیر کرتے ہیں۔

☆ مطالعے کے اس طرزِ عمل سے قاری کے ذہن میں زیرِ مطالعہ کتاب کے مندرجات، اس کا سیاق و سباق، اس کے مضامین و دلائل اس طرح پیوست اور مستحضر ہو جاتے ہیں کہ اس پر نقد و نظر کرنا اس کے لیے بہت آسان ہو جاتا ہے۔

☆ زیرِ نظر کتاب میں اوّل جملہ سے لے کر آخرِ کلام تک ایک بلند پایہ علمی نظم و ضبط اور منصوبہ بندی کی آئینہ بندیاں مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ان کی تحریر کی یہ خوبیاں مصنف ممدوح کو اپنے دور کے بلند قامت مصنفین کی اگلی صف میں لا کھڑا کرتی ہیں۔

☆ مصنف محترم کا ہر دعویٰ دلیل و برہان سے مزین ہوتا ہے۔

☆ قرآن کریم، کتبِ احادیثِ مبارکہ، کتبِ سِیَر اور اقوالِ ائمہ سے دلائل کی بھرمار دیکھ کر ان علوم پر ان کی ماہرانہ نظر اور دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں مدعیِ مخالف طفلِ مکتب، نہیں، بلکہ ایک مسخرہ نظر آتا ہے۔

یہ اور اس قسم کے بے شمار دیگر فنّی محاسن صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی تحریر کا طرۂ امتیاز ہیں جن کی تفصیل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

زیرِ نظر کتاب پر تخریج و تحشیہ کے کام نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے ہیں اور جدید تعلیم یافتہ طبقے اور علماے محققین کی نظر میں اس کی اہمیت اور اس کے مطالعے کی

ضرورت کو اور بڑھا دیا ہے۔

حواشی و تخریجات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ محشی محترم مولانا مفتی ذوالفقار نعیمی صاحب نے اس پر بہت محنت کی ہے۔ حواشی و تخریج کے ہر جملے سے حضرت محشی کی وسعتِ مطالعہ اور اسلافِ کرام کی تصانیف کی نشر و اشاعت کے لیے اخلاص فی اللہ پر مبنی ان کا شغف جھلکتا ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ، مرادآباد خوش نصیب ہے کہ اس کے ابنائی صفوں میں قحط الرجال کے اس دور میں حضرت مولانا مفتی ذوالفقار نعیمی حفظہ اللہ الباری جیسے فاضل نوجوان محقق و مصنف موجود ہیں۔ راقم، حضرت مولانا مفتی ذوالفقار نعیمی صاحب زید مجدہ، ان کے شرکاے کار، جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مہتمم حضرت مولانا محمد یامین نعیمی مدظلہ کو اس اہم علمی کاوش اور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی اس نایاب تصنیف کی بازیافت اور جدید حسن و آرائش کے ساتھ اس کی طباعت و اشاعت پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ کتاب کے ناشر "ادارۂ ترویج و اشاعت مسجد نور الاسلام، بولٹن، یوکے" بھی قابلِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے وقت کے تقاضوں کا صحیح ادراک کرتے ہوئے مذکورہ کتاب بروقت منصہ شہود پر لانے میں تعاون کیا۔ فقیر دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف العلام صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تصنیفِ لطیف کو قبولِ عام عطا فرمائے اور صبحِ قیامت تک ان کی مرقدِ مبارک پر رحمت و رضوان کی بارش فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حافظاؔ محض حقیقت گوئی سرّ عشق را
غیر ازیں گوئی خیالات بہ تخمیں بستہ اند

صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری

ابتدائیہ

زیر نظر کتاب **"فیضانِ رحمت بعد از دعاے برکت"** حضور صدر الافاضل قدس سرہ کی گراں مایہ تصانیف میں سے ایک ہے، جو تفسیری کواکب ودرر، درربے بہاے حدیث، فقہی جواہر پارے اور دیگر علوم کی علمی وفنی تحقیقی وتنقیدی موشگافیوں سے مزین ہے۔ آپ نے اس کتاب میں دلائل وبراہین کا انبار لگا دیا ہے کوئی بھی بات مجرد عن الدلیل نہیں ہے۔ دراصل یہ کتاب ایک وہابی مولوی کی کتاب کا جواب لاجواب ہے، اس کتاب کا پس منظر قدرے تفصیل طلب ہے لیکن یہاں اس کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہو گا۔

صدر الافاضل کے پیر ومرشد کاشف اسرار حقیقت، غواص بحر طریقت، ماہر علم شریعت، حضور شیخ الکل حضرت علامہ مفتی ومحدث مولانا محمد گل خاں کابلی جلال آبادی ثم مرادآبادی، قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم ظاہری وباطنی دونوں سے سرفراز فرمایا تھا، آپ اگر ایک طرف روحانی فیضان سے مخلوق کو فیض یاب فرما رہے تھے، تو دوسری طرف علمی فیضان سے تشنگان علوم نبویہ کی سیرابی فرما رہے تھے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان فیض ترجمان کو فصاحت، بلاغت اور صداقت کا منبع، پر کشش، شیریں اور بااثر بنایا تھا، وہیں آپ کے قلم کو جولانی بھی عطا فرمائی تھی۔ آپ کا قلم علمی لؤلؤ ومرجان کا مخزن تھا۔ اور یہ مبالغہ آرائی نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے، جو آپ کی تصانیف کے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر منکشف ہے۔ آپ کی تصانیف کے اسما درج ذیل ہیں:-

(۱) دعاے برکت بر طعام ضیافت، دعاے اموات بوقت جمعرات
(۲) اثبات المعقول بالمنقول علی رغم الف کل ظلوم وجہول
(۳) لولوٴ المنثور فی مدح والی رام فور
(۴) ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب میلاد مصطفی
(۵) براہین بینہ بر اثبات نذور معینہ

مذکورۃ الصدر کتاب 'دعاے برکت بر طعام ضیافت، دعاے اموات بوقت جمعرات' فاتحہ مروجہ سے متعلق امور کی تفصیلی بحث پر مشتمل ہے۔ ہم فی الوقت اپنے مقصد کے پیش نظر صرف اسی کتاب کے تعلق سے بحث کریں گے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت ۱۳۱۵ ھ مطابق۱۸۹۸ ء میں مطبع گلزارابراہیم مرادآباد سے ہوئی،اس کتاب نے بعد اشاعت کافی شہرت حاصل کی اور بے حد مقبول ہوئی۔اسی مقبولیت کے پیش نظر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ءاور ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ءکے درمیان (صحیح تاریخ کا علم نہ ہو سکا)

دوسرا ایڈیشن مطبع شمس المطابع مرادآباد سے شائع ہوا، تیسرا ایڈیشن ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو حضرت اختصاص الدین صاحب خلف صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے توسط سے مطبع اہلسنت برقی پریس مرادآباد سے شائع ہوا، چوتھے اورآخری ایڈیشن کی اشاعت ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۰۰۲ءکوادارہ ضیاء السنۃ جامع مسجد شاہ سلطان کالونی ریلوے روڈ ملتان سے ہوئی۔

اس کتاب کا جب پہلا ایڈیشن شائع ہوا اوراس کو عوامی مقبولیت حاصل ہوئی تو صف اعدا میں کھلبلی مچ گئی۔ مخالفین سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اسی درمیان کہ اعدا پس وپیش کی منزل میں تھے دعاے برکت کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو گیا۔

اس کے بعد مخالفین کی جانب سے ایک کتاب ان کی خام خیالی کے مطابق کتاب لاجواب کا جواب **"اتباع السنۃ خیر للامۃ افاضۃ الخیرات فی کل احیان واوقات"** مصنفہ منشی شمس الدین محلہ کسرول مرادآباد، مطبع شمس المطابع مرادآباد، منظرعام پر آئی ۔کتاب کیا تھی بقول حضور صدرالافاضل محض افترا واختراع نامہ ۔ پوری کتاب میں علمی وادبی فقدان کے ساتھ تعلیاں،بدتمیزیاں، کذب وبہتان تراشیاں بھری ہوئی تھیں۔

لیکن جھوٹے کو حد تک پہنچانا بھی ضروری تھا اس لیے حضور صدرالافاضل قدس سرہ نے اپنے رہوار قلم کو مہمیز لگاتے ہوئے جواباً زیر نظر کتاب **'فیضان رحمت بعد از دعاے**

برکت"تحریر فرمائی۔ جو پہلی بار ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں مطبع محمود المطابع مراد آباد سے شائع ہوئی۔

اور بفضلہ تعالیٰ آج تک اس کا کوئی جواب معاندین کی جانب سے نہیں دیا گیا ہے۔ اور دیا بھی کیا جائے گا کہ یہ کتاب دلائل وبراہین سے بھرپور، قرآن واحادیث کے تناظر، اور اقوال صحابہ وتابعین وفقہا وغیرہم کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ علاوہ ازیں نقوش قلم صاحب قلم کی ایجاد ہوتے ہیں اگر صاحب قلم ذی علم، معتبر اور مستند ہوتا ہے تو نقوش قلم بھی علمی شہ پاروں سے موسوم لائق اعتبار واستناد ہوتے ہیں اور حرف اخیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور صدرالافاضل کی شخصیت کے معتبر ومستند ہونے اور ماہر علوم شریعت ہونے میں کس کو شبہہ ہے؟ سوائے جاہل، متعصب، حاسد، کے! آپ کی شخصیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جو سیاست سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی آپ کی شخصیت سے واقف ہیں، جو مناظر ہیں ان سے بھی آپ کی ذات مضمر نہیں، جو مسافرِ راہِ طریقت ہیں وہ بھی آپ کو جانتے ہیں اور جو علومِ شرعیہ نبویہ کے ذمہ دار ہیں وہ بھی۔"

قارئین کرام! احقر کو مناسب لگتا ہے کہ کتاب پڑھنے سے قبل صاحب کتاب کی حیات طیبہ کا اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ صاحب کتاب کی عظمت ورفعت، علمی برتری، مذہبی، ملی، سیاسی اور سماجی خدمات پڑھ لینے سے کتاب کی اہمیت، افادیت اور معنویت کا بخوبی اندازہ ہو جائے۔ اور کتاب پڑھنے میں شک وتردد اور بے یقینی وبے اعتباری کو دخل نہ رہے۔

ہم یہاں اجمالاً صدرالافاضل کی ولادت سے وصال تک کے اجمالی حالات اور ان کی مذہبی وملی، سیاسی وسماجی خدمات قلمبند کر رہے ہیں۔ قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

تذکار صدر الافاضل

ولادت باسعادت

۲۱، صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء متبرک دن دوشنبہ کو آپ اس خاکدان گیتی پر قدم رنجہ ہوئے۔

خاندان

آپ کا خاندان دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے عزوشرف کا حامل تھا دیانت، شرافت، سخاوت، اور خدمت خلق آپ کے خاندان کا طرہ امتیاز تھا۔ آپ کے اجداد ایران کے مشہور شہر مشہد کے رہنے والے تھے۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے عہد حکومت میں اپنے ملک ایران کو خیر آباد کہہ کر ہندوستان تشریف لے آئے۔ حضرت بادشاہ اورنگ زیب نے ان کی خاطر خواہ عزت افزائی کی، خلعت و جاگیر سے نوازا اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ یہ بات آپ کے خاندان کے معزز ہونے پر شاہد عدل ہے۔

تعلیمی پس منظر

جب آپ سن تمیز کو پہنچے تو آپ کے والد محترم حضرت علامہ مولانا سید محمد معین الدین نزہت مرادآبادی علیہ الرحمۃ نے حافظ و قاری انعام اللہ صاحب کے پاس حفظ قرآن کے لیے بٹھادیا۔ آپ نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں خود آپ کے والد محترم نے پڑھائیں۔ اور متوسطات سے لے کر ملاحسن تک کی کتابیں حضرت شاہ فضل احمد علیہ الرحمۃ سے پڑھیں۔ بعدہ آپ کے والد محترم نے حضور علامہ محمد گل خاں علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے وہاں رہ کر علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کا حصول بھی کیا۔ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء کو

بیس سال کی عمر میں آپ کی تعلیم مکمل ہوگئی تو آپ کو دستار فضیلت اور سند فراغت سے نوازا گیا۔ آپ کے والد محترم نے دستار فضیلت پر درج ذیل تاریخی قطعہ کہا:

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ فضیلت سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہتؔ یہ نعیم الدین کو کہہ کے سنادے دستار فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت
۱۳۲۰ھ

رشتہ ازدواج

دستار فضیلت کے دوسال کے بعد ۱۳۲۲ھ میں آپ کے والدین نے آپ کو رشتہ ازدواج میں منسلک فرمادیا۔ رئیس اعظم مرادآباد کی صاحبزادی آپ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ جو نیک صورت ہونے کے ساتھ نیک سیرت بھی تھیں، اور دینی ماحول میں آپ کی معین و مددگار بھی ثابت ہوئیں ۔ اللہ نے آپ کو چار صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔

بیعت وخلافت

یوں تو آپ نے حضو اعلیٰ حضرت، شاہ جی محمد شیر میاں اور سید شاہ علی حسین اشرفی علیہم الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ سے بھی خوب خوب فیوض وبرکات حاصل کیے لیکن بیعت آپ نے حضور محمد گل علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر کی۔ اور انہوں نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ علاوہ ازیں حضور اعلیٰ حضرت اور سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرھما سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہے۔

احقاق حق وابطال باطل

آپ کی مکمل حیات احقاق حق وابطال باطل میں صرف ہوئی۔ خدمت دین کے معاملہ میں آپ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا۔ علمی وتبلیغی سرگرمیوں میں آپ ہمہ تن مصروف رہے۔ اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کے سدباب اور دین حنیف

کے عروج وارتقا کے لیے آپ نے تن من دھن کی بازی لگادی۔ جان کی پرواہ کیے بغیر آپ نے الحق یعلوا ولایعلیٰ کے پیش نظر حق کی آوازبلند فرمائی ،اور بحمد اللہ کامیابیاں آپ کے قدم کی زینت بنتی چلی گئیں۔ دین کے معاملہ میں آپ کی بلند خیالی اور بلند پروازی سے باطل کے شیش محل میں دراریں پڑ گئیں ،باطل کے ماتھے پہ پسینہ آگیااوراہل باطل نے آپ کی اس پرواز کوروکنے کے لیے کفر، تعصب، عناد، حسد کی قینچیوں کااستعمال کیالیکن آپ کے بلند حوصلوں کو بے شمار سلام جن کی وجہ سے باطل کی قینچیاں آپ کی بلند پروازی پراثراندازنہ ہوسکیں اورآپ عروج وارتقا کی سیڑھیوں پر یہ کہتے ہوئے چڑھتے گئے:

کبھی مہک کی طرح ہم گلوں سے اڑتے ہیں
کبھی دھویں کی طرح پربتوں سے اڑتے ہیں
یہ قینچیاں ہمیں اڑنے سے خاک روکیں گی
کہ ہم پروں سے نہیں حوصلوں سے اڑتے ہیں

شدھی تحریک اور تحریک ترک موالات میں جواہم کردارآپ نے اداکیادانشوران قوم وملت ہرگزاسے فراموش نہیں کرسکتے۔ہندومسلم اتحادکانعرہ لگانے والوں میں اپنوں نے جوکرداراداکیااوراس کے مقابلہ میں آپ کوجن پریشانیوں سے دوچارہوناپڑاان میں سے ایک پریشانی، گندم نماجوفروش مسلمانوں کاآپ پرجانی حملہ کرکے آپ کے وجودسے ملت کومحروم کرنا بھی ہے،واقعہ کچھ اس طرح پیش آیاکہ جب کانگریسی ملاؤں جیسے علماے دیوبندوغیرہ کے خلاف آپ نے آوازِحق بلندکی اور مسلمانوں کواحکام شرعیہ سے واقف کرانے کابیڑااٹھایااور جابجاآپ نے تقریری پروگرام میں جاناشروع کیاتوباطل پرست ملاؤں کو یہ بات بڑی ناگوار گزری انہوں نے آپ کے خلاف ایک محاذ قائم کیااورآپ کوراستے سے ہٹانے کے لیے کوششیں شروع کردیں اورایک دن وہ اس حدتک کامیاب بھی ہوئے کہ ایک جلسہ میں آپ تقریر فرمارہے تھے کہ اچانک ان کی جماعت کاایک شرپسندمولوی آپ کی تقریر کے دوران جلسہ گاہ سے اٹھ کراسٹیج پرننگی تلوارلے

کر چڑھ گیا اور آپ پر حملہ کر دیا لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! لوگوں نے اس مولوی کو پکڑ لیا اور آپ محفوظ رہے۔ آپ کے والد محترم علیہ الرحمۃ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر درج ذیل قطعہ تحریر فرمایا:

یا الٰہی بے خطا بے جرم ہے میرا پسر
دشمنی رکھتے ہیں اس سے شہر والے فتنہ گر
تو برائے احمد مختار و بو بکر و عمر
دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

اسی حق گوئی وبیباکی کا ثمرہ ونتیجہ تھا کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہوتے چلے گئے اور ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگانے والوں میں جو لوگ پیش پیش تھے جیسے مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہما آپ کی حق گوئی کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صلح جوئی

صلح جوئی آپ کا وطیرہ خاص تھا۔ دو مسلمانوں کے درمیان آپسی انتشار کو دور کرنا آپ کی عادت میں شامل تھا۔ اور بلا مبالغہ ہمیں دور تک ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس وصف میں آپ کے شریک ہو۔ حضرت مولانا شاہ عبد الحامد قادری بدایونی علیہ الرحمہ صدر جمعیۃ العلما پاکستان کی درج ذیل تحریر اس بات کی صاف غمازی کر رہی ہے آپ فرماتے ہیں:

''حضرت استاذ العلما مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو ہندوستان کے طبقہ اہلسنت اور اس کے علما و مشائخ کے تنظیم واتحاد کی علم بردار تھی۔ ان (صدر الافاضل) کا عرصہ سے خیال تھا کہ جس طرح ہوسکے حضرات علمائے اہلسنت اپنے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کریں ان کا ایک متحدہ ومتفقہ پلیٹ فارم ہو......الخ''

نیز درج ذیل واقعہ بھی اس بات کی عکاسی کر رہا ہے ملاحظہ کریں:

حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی علیہ رحمۃ الغنی سے چند کلمات خلاف

شرع نکل گئے یہاں تک کہ آپ کہہ گئے:

"عمرے بآیات واحادیث گزشت رفتی وثار بت پرستے کردی"

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے نہایت ہی عالمانہ طرز پر افہام و تفہیم کے لیے خط وکتابت کا سلسلہ شروع فرمایا، لیکن حضرت مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مکاتیب سے صرف نظر کر لیا۔ بالآخر اعلیٰ حضرت نے مولانا کے رد میں دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب **"الطاری الداری لہفوات عبد الباری"** تحریر فرمائی۔ جب یہ کتاب مولانا عبد الباری علیہ الرحمہ کے پاس پہنچی، اورانہوں نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایاتو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسی دوران اعلیٰ حضرت نے اتمام حجت کے طور پر صدرالافاضل ،حجۃ الاسلام اور صدرالشریعہ کو مولانا عبد الباری کے پاس لکھنؤ بھیجا۔ اُدھر مولانا عبد الباری کو ان تینوں حضرات کی آمد کی اطلاع مل گئی اور وہ اپنے مریدین ومعتقدین کے ساتھ اسٹیشن پر ان حضرات کے استقبال کے لیے پہنچ گئے۔ صدرالافاضل وغیرہ ٹرین سے باہر آئے تو مولانا عبد الباری نے سب سے پہلے حضور حجۃ الاسلام سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے لیکن حضور حجۃ الاسلام نے مولانا پر شرعی مواخذہ کی وجہ سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات مولاناعبدالباری اوراوران کے محبین کوناگوارگزری اوروہ واپس جانے لگے صدرالافاضل نے حالات بگڑتے دیکھ حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مولانا عبد الباری سے اس طرح گفتگو فرمائی کہ مولانا عبد الباری بات کرنے کو تیار ہو گئے۔ کچھ دیر افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رہا آخر کار مولانا عبد الباری علیہ رحمۃ الباری اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ نامہ تحریر فرمانے لگے، آپ کے کچھ معتقدین نے آپ کو اس کار خیر سے روکنے کی کوشش بھی کی مگر آپ نے ان کی ایک نہ سنی اور توبہ نامہ تحریر فرماکر حضور صدرالافاضل کے سپرد کر دیا۔ صدرالافاضل نے فرمایاحضرت یہ توبہ نامہ صرف ہم لوگوں تک ہی محدود رہے گا اسے پریس میں نہیں دیا جائے گا تو مولانا عبد الباری نے اللہ حشر تک آپ کے مرقد پر گوہر افشانی فرمائے برجستہ فرمایا: حضرت میں جب خدا کی بارگاہ

میں تائب ہو رہا ہوں تو مجھے دوسروں کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ تینوں حضرات وہاں سے رخصت ہو کر حضور اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں پہنچے سارے حالات بیان کیے اور وہ توبہ نامہ حضور اعلی حضرت کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ توبہ نامہ ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ نے حکم دیا کہ **"کتاب الطاری الداری لھفوات عبد الباری"** کو نذر آتش کر دیا جائے آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس طرح دو اہل علم حضرات کے درمیان مصالحت ہو گئی۔ بالیقین یہ حضور صدر الافاضل کی جد وجہد، حکمت عملی، خوش اسلوبی اور جذبہ اتحاد و یگانگت کا ہی ثمرہ و نتیجہ تھا ورنہ یہ انتشار آگے چل کر مسلمانوں کے لیے کسی زہر ہلاہل سے کم نہیں ہوتا۔

خطابت پر فصاحت

درود ان پر جو پڑھ کر بولتے ہیں
وہ ہر پہلو سے بہتر بولتے ہیں

آپ میدان خطابت کے بہترین شہسوار تھے۔ آپ کی تقریر قرآن واحادیث اقوال فقہا و فرامین اولیا کی آئینہ دار، فصاحت وبلاغت، متانت و سنجیدگی سے لبریز اخلاص اور علم وحکمت کا سرچشمہ ہوا کرتی تھی۔ آپ مافی الضمیر کو عوام وخواص کے قلوب میں اتارنے کا ہنر جانتے تھے۔ نباض ایسے کہ وہی بیان کرتے جسے عوام وخواص سب پسند کرتے۔ درج ذیل واقعہ آپ کے زور خطابت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

حضرت کو دھولپور میں تقریر کے لیے مدعو کیا گیا آپ نے وہاں اپنی پہلی تقریر سے آزاد طبقہ کو مسخر فرمالیا۔ نیز مخالف جماعت کے لوگ بھی آپ کی تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے روز کافی تعداد میں شریک جلسہ ہوئے۔ منتظمین جلسہ کو شبہہ ہوا کہ یہ لوگ فساد کے لیے آئے ہیں اس لیے یہ لوگ بھی مستعد وہوشیار ہو گئے۔ جب حضور صدر الافاضل کی تقریر ختم ہوئی تو آپ نے اعلان کیا کہ میری کسی بات پر اگر کسی کو شبہہ ہو تو بلاخوف وخطر مجھ سے ابھی بیان کر دے! کیوں کہ صبح مجھ کو واپس جانا ہے اتنا سن

کر مخالف جماعت کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضور! آپ کے آنے سے قبل شبہات تو بہت تھے لیکن اب ہمارے تمام شبہات آپ کی تقریر کے ذریعہ رفع ہوگئے ہیں، اور ہم آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہیں۔ اوراب آپ ہماری کل کی دعوت کو قبول فرمایئے۔ اورآپ نے آج تقلید کے عنوان پر جو تقریر فرمائی ہے کل بھی اسی عنوان پر تقریر فرمائیں تاکہ ہمارے علاقہ کے غیر مقلدین کی آنکھیں کھل جائیں اور گمشتہ راہ عوام وخواص راہ راست پر آجائیں۔ آپ نے فرمایا: کہ کل مجھے میرٹھ جاناہے کیوں کہ میں نے وہاں جانے کاوعدہ کرلیاہے اورالکریم اذاوعدوفاکے پیش نظر میرا وہاں پہنچناضروری ہے۔ ہاں البتہ میرٹھ کے اجلاس سے فراغت کے بعد میں یہاں آنے کاوعدہ کرتاہوں۔ آپ میرٹھ تشریف لے گئے جب آپ وہاں سے فارغ ہوگئے تو پھر دھولپور آگئے۔

اس باراہل دھولپور نے آپ کا جلوس کی شکل میں شاندار استقبال کیا۔ آپ جلسہ گاہ تشریف لے گئے۔ راناد ھولپوراوران کے ماموں بھی آپ کی شہرت سن کر جلسہ گاہ میں آئے، ان کے لئے علاحدہ گدی لگائی گئی۔ لیکن انہوں نے حضرت کی عقیدت میں گدی ہٹادی اور عوام کے ساتھ بیٹھ کر تقریر سماعت کی۔ آپ کی یہ تقریر بھی فصاحت وبلاغت سے پر، قرآن واحادیث کے پیرائے میں، اور متانت وسنجیدگی سے لبریز تھی جسے سن کر اپنے ہی نہیں بیگانے بھی اعتراف حق کرنے پر مجبور ہوگئے۔

یہی نہیں آپ کی تقریر منیر کی تعریف کرتے ہوئے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں:

”ہماراوفد جامع مسجد آگرہ پہنچا۔ مسلمانوں کاایک بہت بڑامجمع تھا۔ نماز جمعہ کے بعد ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانامحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان وشوکت پر اور موجودہ حالات پر دل گداز تقریر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہاتھا۔ اور مسلمانوں کے دل جوش سے لہریں مار رہے تھے۔ اس موقع پر مولانانے داڑھیاں منڈوانے اور کبائر میں ملوث ہونے سے

عوام کو توبہ کروائی۔ مسجد کا وسیع صحن توبہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔"

نیز مفتی محمد احمد صاحب سابق امام شاہی مسجد فتح پوری دہلی فرماتے تھے کہ

"جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مسجد فتح پوری میں ایک عظیم پیمانے پر جلسہ ہوتا علماے کرام کو مدعو کیا جاتا۔ اکابر علما جلسہ گاہ میں تاخیر سے پہنچتے لیکن حضور صدر الافاضل اور محدث اعظم محفل میں پہلے ہی آجاتے اور جلسہ کے اختتام کے بعد ہی اسٹیج سے اترتے۔ آپ کا خطاب بالکل آخر میں ہوتا۔ جس وقت آپ ممبر خطابت پر جلوہ فرما ہوتے سامعین سننے کے لیے بیتاب نظر آتے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ وقت کا احساس ہی نہیں ہوتا یہ جی چاہتا کہ حضرت کا بیان جاری رہے اور محفل پاک اسی طرح سجی رہے۔"

حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے مزید فرماتے ہیں کہ:

"یہ ان کی عالمانہ شان تھی کہ ہر میدان اور ہر جلسہ میں وہ ہی نظر آتے تھے۔ آپ کے زور خطابت پر یہ وہ شواہد ہیں جن سے آپ کی سحر بیانی اور اسلوب بیان اور زور خطابت کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ اس کا انکار نہیں کرے گا مگر تاریخ سے ناواقف کار، جاہل اور متعصب۔"

قلمی نگارشات

آپ کی قلمی نگارشات کی اگر بات کی جائے تو ہندوپاک کے مشہور اخبارات ورسائل میں ساٹھ سے زیادہ آپ کے مقالات ومضامین شائع ہوئے۔ ۶۳ر مقالات کا مجموعہ فقیر کے ذریعہ مرتب ہو کر "مقالات صدر الافاضل" کے نام سے ہندوپاک سے چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

فراغت کے سال یعنی بیس سال کی عمر میں آپ نے "الکلمۃ العلیا" اور زیر نظر کتاب "فیضان رحمت" دو علمی اور معرکۃ الآرا کتابیں تحریر فرمائیں۔ "الکلمۃ العلیاء" کو جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ملاحظہ فرمایا تو یہ فرمایا:

"ماشاء اللہ بڑی عمدہ نفیس کتاب ہے یہ نو عمری اور اتنے احسن دلائل کے ساتھ

اتنی بلند کتاب ان کے ہونہار ہونے پر دال ہے"

زیر نظر کتاب کے علاوہ قریب پچیس گراں قدر تصانیف چھوڑیں جو آپ کے قلم کا بہترین شاہکار ہیں۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر خزائن العرفان، الکلمۃ العلیاء، اسواط العذاب، اطیب البیان، فیضان رحمت، کشف الحجاب عن مسائل ایصال ثواب، آداب الاخیار، فرائد النور علی جرائد القبور وغیرہم جیسی عظیم علمی کتابیں ارباب علم و دانش اور صاحبان فکر و نظر سے داد وصول کر رہی ہیں، ان کتابوں سے آپ کی علمی صلاحیت و لیاقت آشکار ہوتی ہے، اور یہ کتابیں آپ کے ایک عظیم مفسر، بالغ نظر محدث اور بہترین فقیہ ہونے پر سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

جسم تو خاک ہے اور خاک میں مل جائے گا
ہم بہر حال کتابوں میں ملیں گے تم کو

حضور صدر الافاضل بظاہر ہماری نگاہوں سے روپوش ہیں لیکن اپنی تصانیف کے ذریعہ وہ آج بھی زندہ و جاوید ہیں۔

زبان دانی

اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر آپ کو کمال کا عبور حاصل تھا۔ اردو زبان بہت ہی شستہ و صاف تھی۔ اردو الفاظ اس طرح مقفی و مسجع ہوتے کہ ارباب ذوق ذمہ داران اردو شعرا حضرات آپ کے اسلوب زبان کی تعریف کرتے اور آپ کے زبان زد الفاظ کو اپنی محفل کا موضوع سخن بناتے۔ جس کی ایک مثال مبارک پور کا وہ جلسہ ہے جس میں آپ سیرت پاک پر بیان فرما رہے تھے دوران خطاب آپ کی زبان فیض ترجمان سے یہ جملہ بڑی روانی کے عالم میں منہ سے نکلا

"پتھر میں جان ڈال دی گویا بنا دیا"

آپ کے اس جملہ پر ارباب علم و ادب شعراے مبارک پور نے ایک مشاعرہ کر ڈالا اور اس کا مصرع طرح اسی جملہ کو بنایا۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی اردو زبان دانی کے تعلق

سے بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی دام ظلہ النورانی کا تاریخی جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے فرماتے ہیں:

"اگر ابو الکلام آپ کی اردو سن لیتا تو اپنی زبان دانی بھول جاتا"۔

یوں ہی آپ کو عربی زبان پر بھی خوب عبور حاصل تھا جس کا ثبوت ہمیں آپ کے اس واقعہ سے ملتا ہے کہ:

بھاگلپور بہار میں ایک مناظرہ کے دوران وہابی مولوی نے آپ سے کہا کہ میں عربی میں مناظرہ کروں گا آپ نے برملا ارشاد فرمایا: کہ میری بھی ایک شرط ہے وہ یہ کہ عربی منظوم بغیر نقطہ ہو یعنی نظم میں ہو اور اس کے کسی بھی لفظ میں نقطہ نہ آئے۔ یہ سن کر اس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور وہ اس قدر مرعوب ہوا کہ مناظرہ میں مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ مناظرہ کے بعد سرکار کلاں نے آپ سے عرض کیا حضور! اگر وہ وہابی تیار ہو جاتا تو آپ عربی منظوم غیر منقوط کیسے بولتے ہم آپ کے اس بے مثال ہنر کی جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ نے فی البدیہ بہت سے عربی اشعار سرکار کلاں کے گوش گزار فرمائے جو منظوم اور غیر منقوط ہونے کے ساتھ ساتھ موضوع مناظرہ کے مطابق تھے۔

فقید المثال مناظر

آپ مناظر بھی کمال کے تھے۔ دیابنہ وغیرہ فرقہاے باطلہ اور ہندوؤں سے آپ نے مناظرے فرمائے لیکن کبھی بھی آپ کو شکست نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بے نظیر و بے مثال مناظرانہ صلاحیت ودیعت فرمائی تھیں۔ آپ ذرا سی دیر میں مناظرہ سر کر لیا کرتے تھے۔ حضور اعلیٰ حضرت اور دیگر علماے اہل سنت کو آپ پر اس قدر اعتماد و یقین تھا کہ جب کہیں مناظرانہ معاملہ در پیش ہوتا تو آپ کو یاد کیا جاتا تھا۔ اعلیٰ حضرت اور خانوادہ اعلیٰ حضرت سے تو اکثر اس معاملہ میں آپ کو بلایا جاتا تھا۔ آپ کی مناظرانہ سرگرمیوں کی تفصیل کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے ہم یہاں اختصار کے پیش نظر آپ کی

مناظرانہ مہارت، کی ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

دہلی کا ایک آریہ جس کا نام رام چندر تھا بہت خوش آواز تھا۔ غیر مقلدین نے اس کو قرآن مقدس کی چند سورتیں یاد کرادی تھیں جو وہ ہر جگہ سناتا اور مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتا۔ بریلی میں اس نے مسلمانوں کو مناظرہ کا چیلنج کیا تو لوگ حضور حجۃ الاسلام کی بارگاہ میں پہنچے اورآپ کی خدمت میں عریضہ پیش کیا کہ حضور کسی عالم کو مناظرہ کے لیے منتخب فرمادیں! آپ نے فرمایا: کہ ابھی تار کے ذریعہ مونالا نعیم الدین صاحب کو اطلاع دی جائے رات تک تشریف لے آئیں گے اور صبح کو مناظرہ شروع ہو جائے گا۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ تار حضور صدرالافاضل کے پاس روانہ کر دیا گیا، اور صبح کے وقت مناظرہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ آپ کے پاس تار کچھ تاخیر سے پہنچا۔ حضور حجۃ الاسلام نے آپ کا انتظار کیا لیکن آپ جب وقت مقررہ پر نہ پہنچ پائے تو حضور حجۃ الاسلام نے مولانا ظہور الحسن رامپوری کو مناظر مقرر فرمایا اور مناظرہ شروع ہو گیا۔

روح اور مادہ کے تعلق سے گفتگو ہونے لگی، اسی دوران حضور صدرالافاضل بھی تشریف لے آئے اور جلسہ گاہ میں پہنچ کر دونوں مناظروں کی گفتگو کو سماعت کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ مناظرہ خالص علمی طرز پر ہو رہا ہے جس سے عوام کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ نے حضور حجۃ الاسلام سے کہا: کہ اگر میں گفتگو شروع کرتا ہوں تو آریہ اور دیگر ہندو کہیں گے کہ تمہارے پہلے مولوی صاحب ہار گئے اس لیے دوسرے مولوی کو کھڑا کیا ہے۔ لہٰذا آپ صدر ہیں اعلان کر دیں کہ گیارہ بج گئے ہیں، گرمی بہت ہے، اس لیے بقیہ بحث رات کو ہوگی۔ جیسے ہی حجۃ الاسلام نے اعلان فرمایا، آپ کھڑے ہو گئے اور عوام کو مخاطب فرمایا: کہ ذرا دیر کے لیے آپ سبھی ٹھہر جائیں تاکہ میں یہ بتادوں کہ اب تک کے مناظرہ کا نچوڑ کیا نکلا، سبھی خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا پنڈت جی یہ کہتے ہیں کہ روح انسانی وحیوانی ایک ہے۔ کیوں پنڈت جی یہی تو ہے آپ کا مدعا؟ پنڈت نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں۔ روح انسانی وحیوانی میں

زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ نے مجمع سے کہا کہ آپ سمجھے؟ تو آوازیں آئیں، نہیں۔ تب آپ نے فرمایا: کہ پنڈت جی کہتے ہیں کہ انسان اور گدھے میں روحانی کچھ فرق نہیں ہے بلکہ گدھا اور آدمی ایک ہیں، صرف صورت کا فرق ہے، جیسا کہ انہوں نے ابھی اس بات کا خود اقرار بھی کیا ہے۔ آپ کے اس انداز بیان سے مشکل بات بآسانی لوگوں کے ذہن میں بیٹھ گئی اور لوگ قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔ اور کہنے لگے واقعی پنڈت جی اور گدھے میں کوئی فرق نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے۔

اس طرح آپ نے دو منٹ میں سارا مناظرہ ختم کر دیا اور پنڈت کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ تھی آپ کی مناظرانہ شان جو آپ کو معاصرین میں سب سے ممتاز کر دیتی ہے۔

کمالِ شاعری

حضور صدرالافاضل عالم، مفتی، مفسر، مصنف، مناظر ہونے کے ساتھ ایک بہترین قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ آپ کی شاعری میں کمال کی جدت، لب و لہجہ میں شائستگی بے حد دلکشی اور جاذبیت پائی جاتی ہے۔ آپ نے اردو کے علاوہ عربی فارسی میں بھی اشعار کہے ہیں جو آپ کی دیگر زبانوں پر ماہر ہونے کی غمازی کرتے ہیں۔ آپ کی شاعری میں حسان الہند حضور اعلیٰ حضرت کی شاعری کا عکس نظر آتا ہے۔ مثلاً حضور اعلی حضرت کی یہ رباعی

محصور جہاندانی و عالی میں ہے
کیا شبہ رضاؔ کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال
بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

اور صدرالافاضل فرماتے ہیں:

ہنر ہی سے جہاں میں آدمی کی قدر ہوتی ہے
نعیمؔ بے ہنر مشہور تیری بے کمالی ہے

آپ نے حمد و نعت و منقبت کے علاوہ صنف غزل میں بھی طبع آزمائی فرمائی ہے

اس سے قطع نظر کہ آپ کی شاعری کسی ضخیم دیوان پر مشتمل نہیں ہے لیکن جتنی ہے لاجواب ہے۔ اور اپنے اندر کشش وجاذبیت لئے ہوئے ہے۔ چند جھلکیاں ہدیہ قارئین ہیں:

سب کا پیدا کرنے والا میرا مولیٰ میرا مولیٰ   سب سے افضل سب سے اعلیٰ میرا مولیٰ میرا مولیٰ

طاعت سجدہ اس کا حق ہے اس کو پوجو وہ ہی رب ہے   اللہ اللہ اللہ میرا مولیٰ میرا مولیٰ

اول آخر غائب حاضر اس کو روشن اس پہ ظاہر   عالم دانا واقف کل کا میرا مولیٰ میرا مولیٰ

حمد کے مذکورہ بالا اشعار عام فہم ہونے کے باوجود معنویت سے لبریز ہیں۔ صنف نعت میں آپ کا قلم کچھ اس طرح سجدہ ریز ہے:

شفیع روز محشر اے شہنشاہ زماں تم ہو   مقیم عرش اعلیٰ ہو مکین لا مکاں تم ہو

کلیجہ کیوں نہ ٹھنڈا ہو تمہارا نام لینے سے   محمد مصطفی تم ہو حبیب دو جہاں تم ہو

دین حنیف کے فروغ اور باطل کے سدباب اور مسلمانوں کی بحالی کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ کا انداز کچھ یوں ہے:

اے خاتم پیغمبراں اے سرور ہر دو جہاں   اے مالک کون ومکاں رحمے بحال عاصیاں

اے رحمت عالم مدد اے سید اکرم مدد   اے دافع ہر غم مدد امداد اے شاہجہاں

اب کیجئے ایسا کرم ہو دین کا اونچا علم   کفار کی گردن ہو خم ان کا مٹے نام ونشاں

اسلام کی لیجئے خبر اور کفر کو پہنچے ضرر   کفار ہوں زیروزبر سب بھول جائیں مستیاں

مسلم کو پھر شوکت ملے اسلام کو قوت ملے   بدخواہ کو ذلت ملے اے دین حق کے پاسباں

مسلم ہوں باہم متحد بھائی کا بھائی ہو مدد   مٹ جائے سب آپس کی ضد رشک وحسد سے ہو اماں

نیز صنف منقبت میں بھی آپ کا قلم جولانیاں دکھاتا نظر آتا ہے درج ذیل اشعار جس کی شہادت دے رہے ہیں:

عابد کبریا امام حسین   زاہد بے ریا امام حسین

قرۃ العین حضرت حیدر   سید اولیا امام حسین

کربلا کی زمیں پہ خون سے لکھا   تم نے نام وفا امام حسین

تیری تلوار کا جہاں میں ہے آج تک غلغلہ امام حسین
ساری خلقت میں ہو گئے رسوا تیرے اعدا شہا امام حسین
اس نعیمؔ گناہگار پہ لطف اے شہہ اصفیا امام حسین

سید شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں:

شد قبلہ دلم چو بکعبہ طواف را پرنور کرد از رخ روشن مطاف را
آورہ ایم کاسہ سر را بخدمتش زاں آرزو کہ بشکند آں مہ صحاف را
اے دستگیر دست نعیمؔ حزیں بگیر آنجا کہ حزن نیست مر اہل عفاف را

حضور اعلیٰ حضرت کی شان رفیع میں صنعت مقلوب مستوی میں آپ کا یہ عربی شعر حضور اعلیٰ حضرت سے آپ کی وابستگی کا بھی پتہ دیتا ہے ساتھ ہی آپ کی عربی ادب پر فوقیت ومہارت کا بھی صحیح طور پر انکشاف کرتا ہے:

اضر ومح احمد رضا اعلام کفر
فکما لعا اضر مح احمد رضا

اب آخر میں غزل میں آپ کی قلمی رعنائیاں ملاحظہ ہوں:

سبزہ ہو فصل گل ہو لب جوئے یار ہو وہ مہر مہر سے شب مہ ہمکنار ہو
میں ہوں وہ گل ہو غیر کا نام ونشاں نہ ہو پھر دیکھئے بہار کی کیسی بہار ہو

دوسری جگہ فرماتے ہیں

قتیل خنجر بیداد ہوں میں فدائے ناوک صیاد ہوں میں
مجھ سے ہے جہاں میں نام الفت حدیث عشق کی اسناد ہوں میں
مصائب کے پہاڑوں کا نہیں خوف کہ اپنے وقت کا فرہاد ہوں میں
گل ونسریں پہ دل مائل نہیں ہے فدائے قامت شمشاد ہوں میں
نعیمؔ بے خطا پر یہ جفائیں غنیمت ہے کہ ان کو یاد ہوں میں

جی میں آتا ہے کہ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے ہر شعر کے ہر حرف پر طبع آزمائی

کی جائے اوراس پر مکمل طور پر لکھاجائے اور محظوظ ہواجائے لیکن مضمون کی طوالت کاخوف دامن گیر ہے۔

ولی باکمال

آپ کو اللہ تعالیٰ نے نعمت ولایت سے بھی نوازا تھا آپ بحر طریقت کے ماہر غواص تھے۔ آپ کی ولایت کے ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ شریعت کے پاسدار تھے۔ کوئی قدم شریعت مصطفی سے ہٹ کر آپ نے نہیں اٹھایا اور یہی معیار ولایت ہے۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''الولی هو الصابر تحت الامر و النهی''

یعنی ولی وہ ہے جو اللہ کے امر و نہی کے تحت صبر کرے۔

اور رہا معاملہ کرامت کا تو شریعت کے مطابق اپنی زندگی گزارنا سب سے بڑی کرامت ہے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کرامة الولی استقامة فعله علی قانون قول النبی صلی الله علیه وسلم''

یعنی ایک ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کی زندگی شریعت کے مطابق گزرے۔

حضور صدرالافاضل نے پوری زندگی شریعت پر عمل کرتے ہوئے گزاری یہ آپ کی سب سے بڑی کرامت ہے اس کے علاوہ ظاہری طور پر بے شمار کرامات کا ظہور ہوا یہاں ان سب کو بیان کرنا ایک امر مشکل ہے صرف ایک کرامت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ محدث مبارکپوری نے ابتدائی تعلیم جامعہ نعیمیہ میں حاصل کی ۔ کبھی کبھی حضور صدرالافاضل حافظ ملت سے فرماتے کہ عبدالعزیز! تم سے ایک بڑا کام لیا جائے گا آپ اس کو نہیں سمجھ پاتے لیکن جب جامعہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ سمجھے کہ صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے فرمان کا یہ مطلب ہے۔ آپ نے خود ایک مرتبہ عرس صدرالافاضل میں حاضر ہو کر صدرالافاضل کی اس کرامت کو اس طرح بیان

کیا کہ:

"کہ حضرت کی پیشگوئی کے موقعہ بہجت و سرور کا منتظر اب تک رہا لیکن جس طمطراق سے حضرت پیشن گوئی فرماتے تھے اس طرح کے مظاہر میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے سوچتا تھا بہت بڑا کام سے اگر مراد صدر مدرسی ہے تو بہت اچھے اچھے صدر مدرس ہندوستان میں موجود ہیں میری ہی کیا خصوصیت!

مسلمانو! آج جب کہ عبد العزیز الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھ کے آیا ہے تو اس یقین کے ساتھ آیا ہے کہ حضور صدر الافاضل کی پیشگوئی کا مظہر اور مشار علیہ یہی الجامعۃ الاشرفیہ ہے۔ یہ حضرت صدر الافاضل رضی اللہ عنہ کی دور بینی کی کھلی ہوئی کرامت ہے جسے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے"۔

جامعہ نعیمیہ عظیم یادگار

یوں تو آپ کی ان گنت یادگاریں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں لیکن جامعہ نعیمیہ آپ کی ایسی یادگار ہے جس کو آپ نے اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ نے ایک انجمن تشکیل دی پھر اس کے بعد اس انجمن کے تحت ایک مدرسہ بنام انجمن اہلسنت کی بناڈالی، چوبیس سال تک یہ مدرسہ اسی نام سے موسوم رہا لیکن ۱۳۵۲ھ میں اس کا نام آپ کی نسبت سے جامعہ نعیمیہ تجویز کیا گیا یہ مدرسہ آج بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

آپ کے عہد سے اب تک لاکھوں تشنگان علوم دینیہ نے اس مدرسہ سے سیرابی حاصل کی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اللہ اس سلسلہ کو تا قیام قیامت جاری رکھے۔ اور اس عظیم دینی یادگار کو دوام عطا فرمائے (آمین)

مشاہیر تلامذہ

آپ کی بارگاہ سے خوشہ چینی کرنے والے اور آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے والے اور آپ سے اکتساب علم کرنے والے تلامذہ کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے

لیکن مشہور زمانہ تلامذہ جنہوں نے ہر چہار جانب اپنے مادر علمی جامعہ نعیمیہ کو روشناس کرانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور نعیمی فیضان بانٹنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا نیز نعیمی بننا اور بنانا باعث افتخار سمجھا، کے متبرک اسما درج ذیل ہیں:

تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمۃ
علامہ قاضی احسان الحق نعیمی بہرائچی علیہ الرحمۃ
حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمۃ
فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی عبد الرشید نعیمی علیہ الرحمۃ
امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمۃ
مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن اڑیسوی علیہ الرحمۃ
حافظ ملت حضرت علامہ عبد العزیز مرادآبادی علیہ الرحمۃ
حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی پاکستانی علیہ الرحمۃ
حضرت علامہ قاضی شمس الدین جونپوری علیہ الرحمۃ
حضرت علامہ سید ابوالحسنات پاکستان علیہ الرحمۃ

اوران کے علاوہ بھی سیکڑوں مشہور تلامذہ ہیں ہم نے یہاں اختصاراً چند کے نام پیش کیے ہیں۔

سانحہ ارتحال

۱۸/ ذی الحجۃ المکرمۃ ۱۳٦۷ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو رات ساڑھے بارہ ۱۲ بجے، علم کا وہ بحر ناپیدا کنار جس سے سبھی تشنگی بجھا رہے تھے، وہ مہر منیر جو علم کی روشنی سے جہالت کی تاریکی کو کافور کر رہا تھا، علم کا وہ آفتاب عالمتاب جس کی علمی روشنی سے پوری دنیا فیضیاب ہو رہی تھی، یہ کہتا ہوا ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گیا کہ

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

مزار پر انوار

ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ نعیمیہ میں مسجد کے بائیں جانب آپ کا مزار ہے جو آج بھی ہم پر فیض افشانی کر رہا ہے۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہرباری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

آپ کی سیرت کا یہ مختصر خاکہ ہے جسے پیش کرنے کا مقصد اپنوں کے قلوب کو تروتازگی روح کو بالیدگی بخشنا تھا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتانا مقصد تھا جو ذات محاسن وفضائل کی جامع اور علمی بحر کا ایسا انمول صدف ہو جس نے ہمیشہ گہر افشانی کی ہو اور اس قدر مستند و معتبر ہو تو اس کے نوک قلم سے نکلے ہوئے رشحات علمیہ کے استناد و اعتبار پر کیا شبہہ رہ جاتا ہے۔ یقیناً آپ کی دیگر تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی علم کا خزانہ ہے۔ اللہ ہمیں کتاب کی برکتوں سے نوازے۔ (آمین)

کچھ جدید اشاعت کے سلسلے میں

زیر نظر کتاب "فیضان رحمت" کی پہلی اشاعت ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ۲۰۱۰ء میں محسن قوم وملت حضرت علامہ مولانا محمد یامین صاحب قبلہ دام ظلہ مہتمم جامعہ نعیمیہ، کے حکم پر اس کی دوسری اشاعت ہوئی۔ دوسری اشاعت میں قبلہ مہتمم صاحب دام ظلہ کے حکم پر احقر نے کتاب پر ترتیب جدید، تحشیہ، تخریج اور تقدیم کا کام کیا تھا۔ محترم مولانا ایوب اشرفی صاحب مد ظلہ نے طباعت کا خرچ اٹھایا تھا۔ اور اس طرح سو سال کے بعد صدر الافاضل کی یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ مہتمم صاحب قبلہ اور استاد گرامی مفتی محمد سلیمان صاحب نعیمی برکاتی دامت معالیھم کے حسب حکم یہ کتاب جدید دوسری اشاعت کو تیار ہے۔ اس لیے احقر نے کتاب کو ایک بار پھر دیکھا تا کہ جو اغلاط پچھلے ایڈیشن میں رہ گئی تھیں وہ ٹھیک کر دی جائیں۔ اور کہیں حذف واضافہ کی ضرورت ہو تو ترمیم کر دی

جائے۔ علاوہ ازیں جدید اشاعت ۲۰۱۰ء میں اشاعت کے لیے حضرت علامہ سید وجاہت رسول قادری علیہ الرحمۃ نے احقر کے کہنے پر ایک طویل علمی مقدمہ تحریر فرمایا تھا لیکن وہ کسی وجہ سے کتاب میں شائع ہونے سے رہ گیا تھا اس بار اس قیمتی مقدمہ کو بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

فارغین جامعہ نعیمیہ ۲۰۲۰ء اور کتاب کی طباعت

اس مرتبہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے قابل، ہونہار، ذی وقار، وفاشعار طلبہ جو اس سال اعزاز فضیلت سے نوازے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وہ اس کتاب کا بار طباعت اٹھا رہے ہیں۔ دعا ہے اللہ پاک ان کے علم و عمل اور عمروں میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائے۔ انہیں نعیمی فیضان سے خوب مستفیض فرمائے۔ صدرالافاضل کے مبارک مشن کو فروغ دینے اوان کی مبارک تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق بخشے۔

آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

خادم نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور

۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ مطابق ۳۱/ جنوری ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً ، فلیتقو اللہ ولیقولو اقولاً سدیدا

بعد حمد و صلوٰۃ فقیر مسکین ہیچمدان نعیم الدین**(۱)** ابن مولانا محمد معین الدین صاحب المرادآبادی بخدمت جمیع برادران دینی عرض پرداز ہے کہ اس زمانہ پر نفاق و شقاق و عناد و فساد میں کہ مثبتین حق کو بعوض قرآن اور حدیث اور اقوالِ فقہا مفتی بہا کے بجز سخت گفتاری اور کوئی جواب نہیں ملتا ہے۔اور منکرین حق کی سخت کلامی اور توہین کے الفاظ اتباعِ سنّت سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس خاکسار کی نظر سے ایک رسالہ خلافِ سنّت مسمّیٰ باتباعِ سنت**(۲)** گذرا کہ مصنف و مخترع نے اپنے زعم باطل میں بجواب لاجواب کتاب **دُعاے برکت(۳)** کہ مدلل بقرآن شریف واحادیث صحیحہ تالیف شدہ جناب فیض مآب استاذی قاطع بدعت محی سنت حضرت مخدومی عین العلما، راس الفضلا مولوی محمد گل خاں صاحب **(۴)** حاجی حرمین شریفین دام فیوضہم ہے، لکھا تھا کہ اس کا نام میرے نزدیک محض افترا و اختراع نامہ ہوتا تو بہتر تھا، نہ اتباعِ سنت۔ اس لیے کہ اتباعِ سنت میں ایسے اُمور کو کیا دخل ہے۔ بعض برادرانِ دینی نے مجھ سے یہ درخواست کی کہ اس کا جواب لکھو، اور اظہارِ حق کماینبغی اور ابطالِ باطل کماحقہ کرو!تو میں نے بھی یہ سوچا کہ:

---

(۱) آپ کی ولادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۸۳ء شہر مرادآباد کے علمی گھرانے میں ہوئی اور وصال ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ مزار مبارک عظیم درسگاہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں مسجد کے بائیں جانب ہے۔

(۲) نام اس طرح ہے ”اتباع السنۃ خیر للامۃ افاضۃ الخیرات فی کل احیان واوقات۔“ مصنفہ منشی شمس الدین ساکن محلہ کسرول مرادآباد مطبع شمس المطابع مرادآباد

(۳) پورا نام اس طرح ہے ”دعاے برکت بر طعام ضیافت دعاے اموات بوقت جمعرات“ مطبع شمس المطابع مرادآباد۔

(۴) علامہ محمد گل خاں قدس سرہ، کابل کے رہنے والے تھے ۱۸۴۲ء میں آپ کی ولادت پاک

اگر بینم کہ نابینا و چاہ ست	وگر خاموش بنشینم گناہ ست۔ **(۵)**

لہٰذا جانبِ مخالف کی اس کتاب کے جواب کی طرف متوجہ ہوا اور جمیع اختراعات ان کے آیتہائے قرآنیہ واحادیث نبویہ اور اقوال مفتی بہاے فقہا اور قواعد اصولین سے رد اور اپنی کتاب کے مسائل ثابت کیے اور میری کتاب دیکھنے سے حق ناحق بخوبی معلوم ہو گا۔ مشک آنست کہ خود ببوید نکہ عطار گوید۔ **(۶)** اور سخت کلامی سے اگر جانب مخالف اس دفعہ بھی باز نہ رہا تو آئندہ جواب ترکی بہ ترکی خوب دیا جائے گا۔ چوں کہ یہ فیضان مجھ کو دُعاے برکتِ بزرگان سے ہوا ہے۔ لہٰذا اس کا نام کہ دراصل مخزنِ روایات ہے **"فیضانِ رحمت بعد از دُعاے برکت"** رکھا گیا۔ اور نیز جانب مخالف کو یہ ضرور ہے کہ آئندہ جو کتاب لکھے

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ)

ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی بعدہ آپ نے ہندوستان کے مشہور شہر مرادآباد کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ علامہ فضل حق خیرآبادی اور علامہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی جیسے مشہور زمانہ علما کی بارگاہ سے علم وادب وفضل کا گراں مایہ سرمایہ حاصل کیا، اور تازندگی علمی وروحانی فیضان تقسیم فرماتے رہے۔ ۶ر مئی ۱۸۸۱ء کو حاجی امداد العلی صاحب سی ایس آئی ڈپٹی کلکٹر مرادآباد کے تعاون خاص سے مدرسہ عربیہ امدادیہ جو آج کل دیابنہ کے تحویل میں ہے، کا قیام عمل میں آیا۔ اولاً آپ اس مدرسہ کے صدر مدرس منتخب ہوئے، بعد میں مہتمم ہو گئے۔ مارچ ۱۹۱۲ء مطابق ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار پرانوار مرادآباد کی مشہور مسجد قلعہ والی میں ہے۔ آپ نے چند کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کا ذکر (ابتدائیہ) میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) اگر میں دیکھوں کہ اندھا ہے اور کنواں ہے اور خاموش رہوں تو یہ گناہ ہے۔

(۶) مشک وہ ہے کہ خود مہکے نہ یہ کہ عطار بتائے (کہ یہ مشک ہے)۔

ہر جگہ اپنے مدعا کے اختتام میں کتب معتبرہ کی سند دے اور ایک فہرست **(۷)** بقید کتب مستندہ جیسی میں نے تیار کی ہے ویسی وہ بھی تیار کرے تاکہ اِن، ان پڑھ بیچارے مسلمانوں کو نہ بہکاے۔ اور جانب مخالف کی کتاب میں جو میں نے دیکھا تو اُس میں یہ پایا کہ کچھ عربی الفاظ اور کچھ سخت کلامی ملا بنا کر اگرچہ اُن سے کچھ مطلب ثابت نہ ہو مگر مقصود اُس سے یہ ہے کہ عوام بے چارے کچھ عربی الفاظ اور کچھ سخت کلامی دیکھ کر خصوصاً جب کہ اُن سخت کلامیوں کے بعد لکھا جائے کہ بتاؤ بدعتی کون ہے؟ یہ خیال کریں کہ جواب تو دیا ورنہ ایسی سخت کلامی کیوں کی جاتی، مگر ہمارے سمجھنے کا نہیں ہے، علما سمجھیں گے۔ اور در حقیقت وہ مضامین بے ربط وضبط علما کا مضحکہ ہیں اور جاہلوں کو پھانسنے کا جال۔ اور جانب مخالف پر میں نے یہ کوئی تہمت نہیں لگائی ہے بلکہ انہوں نے خود بھی یہ مضمون **"کلمۃ التقوی"** کے صفحہ ۱۹ر میں تحریر کیا ہے:

"سابق میں ہم نے جو نسخہ "اتباع السنۃ بر دنسخہ دُعاے برکت" مؤلفہ مولوی محمد گل خاں صاحب تحریر کیا تھا، اُس کے چھپنے کے بعد بہت لوگ شاکی ہوئے کہ تم نے جواب تو لکھا مگر ہمارے کام کا نہیں ہے (بہت صحیح لکھا ہے) اور اس کا مطلب سمجھنا علما کا کام ہے' (اگر علما کا مضحکہ لکھتے تو مناسب تھا) اگر مضامین اور عبارت اس کی سہل ہوتی تو ہم بھی اُس سے مستفیض ہوتے"

ابر گر آب زندگی بارد　　ہرگز از شاخ بید بر نخوری **(۸)**
زمین شورہ سنبل بر نیارد　　درو تخم عمل ضائع مگردان **(۹)**

---

(۷) فہرست کتب نیز فہرست مضامین قدرے اضافے کے ساتھ آخر کتاب میں شامل کر دی گئی ہے۔

(۸) بادل اگر آب حیات برسائے۔ تو ہرگز بید (ایک پہاڑی درخت جس میں پھل نہیں آتے) کی ٹہنی سے پھل نہیں کھائے گا۔

(۹) بنجر زمین سنبل (خوشبودار گھاس) نہیں اگائے گی۔ اس میں عمل کا بیج ضائع مت کر۔

مولانا صاحب علیہ الرحمۃ پر لگائی گئی تہمتوں کا ازالہ

جانب مخالف نے اتباع السنۃ کے صفحہ ۲ تک تو اپنی کتاب کا سببِ تالیف بیان کیا ہے جس سے ہم کو کچھ تعلق نہیں۔ اور صفحہ ۲ کے اخیر سے جناب مولانا مولوی محمد گل خاں صاحب مد ظلہ پر تہمتِ بے علمی اس طرح بیان کی ہے کہ:

"جناب مولوی صاحب نے جناب مولوی عبد العزیز صاحب مرحوم امروہوی سے کچھ معقول کے رسالے شروع کیے اور مشکوٰۃ شریف نصف تک بھی نہ پڑھنے پائے تھے کہ امتحان سالانہ میں کسی مسئلہ معقول پر بعضے رؤسائے شہر سے یعنی نواب مولوی شبّیر علی خاں صاحب مرحوم اور اُن کے صاحب زادے جناب مولوی رضی الدین خاں صاحب مرحوم سے مولوی صاحب کی مخالفت ہوگئی، اور وہ مدرسہ کے رکن تھے اور مولوی صاحب طالب علم، اُن سے مخالفت کرکے مدرسہ میں نہ پڑھ سکے مجبوراً مدرسہ چھوڑا اور شہر میں دوسری جگہ پڑھنا اُن کا نہ ہوسکا اور تحصیل علم کو جواب دیا۔"

اقول: اب دیکھو کہ جانب مخالف اپنے قول کا رد آپ لکھتا ہے اور آپ کیا لکھتا ہے بلکہ مولوی صاحب مد ظلہ کی کرامت کہ اُس کے قلم کو پھیر کر تحصیل علم کو جواب دینے کے قول کے بعد یہ لکھاتی ہے کہ:

"جناب مولوی صاحب سیّد ابو الحسن صاحب کے یہاں معقول پڑھانے پر مدت تک نوکری کی اور جب اُن کے صاحب زادے مولوی سیّد حسن صاحب وکیل اکثر معقول پڑھ چکے تو مولوی صاحب نے یہ خیال کیا کہ اب یہاں سے بھی جواب ملے گا تو جناب ڈپٹی امداد علی صاحب کے یہاں ربط وضبط پیدا کیا"

اقول: جو شخص کہ جناب مولوی ابو الحسن صاحب کو جانتا ہے وہ آنجناب کے علم اور ذکاوت و متانت کا بھی اقرار کرتا ہے۔ اور نیز اُن کے صاحب زادے جناب مولوی سیّد حسن صاحب کو جو آج کل سر آمد **(۱۰)** وکلاے عصر ہیں، اُن کی ذہانت اور فطانت اور

---

(۱۰) سردار

علمیت پر سب کا اتفاق ہے۔ اور بموجب قول مخالف جناب مولوی صاحب مدظلہ نے مدت تک علم معقول جو مشکل علم ہے پڑھایا۔ تو سخت تعجب یہ ہے کہ اِن دونوں کو اتنی تشخیص نہ ہوئی کہ جناب مولوی صاحب مدظلہ کی بے علمی کو پہچانیں، اور نہ مولوی سیّد حسن صاحب کو تحصیل علم تمام ہونے تک مولوی صاحب کی بے علمی ظاہر ہوئی۔ اور بتقدیر بے علمی جناب مولوی صاحب مدظلہ کے، یقیناً اُن کو کشف و کرامت ہو گی کہ ایسے ذہین آدمی کی کتابیں ختم کرائیں، تہمت ہو تو ایسی بے پیوند کہ اپنے قول سے اپنا قول رَد ہو۔

اور دوسری بات یہ مضمون بھی بالکل غلط ہے، کہ جناب نواب شبّیر علی خاں صاحب مرحوم خلد آشیاں اور اُن کے صاحب زادے صاحب کہ پشتہاپشت سے صاحبانِ سلطنت، حکومت، ارشاد اور علم رہے، اور شہر مراد آباد میں مروّت اور رحم دلی میں مشہور ہیں۔ تو بموجب "الولد سر لابیہ"**(۱۱)** کے ہرگز یہ یقین نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک مسافر غریب الوطن، پھر وہ بھی طالب علم کہ طالب علمی کے فضائل اور طالب علموں کی خوشنودی کی فضیلت حدیث میں بھی وارد ہے، اُن کی مخالفت کی وجہ سے مدرسہ چھوڑ کر تحصیل علم کو جواب دے، اور جناب نواب خلد آشیاں **(۱۲)** صاحب اُس کو راضی نہ کریں۔ اور نیز سُننے میں آتا ہے کہ جناب نواب مولوی رضی الدین خاں صاحب کی کتب درسیہ ختم ہو چکی تھیں بلکہ شفا اور اشارات اور افق المبین بھی پڑھی تھیں۔

اور بالفرض اگر جناب مولوی صاحب کو علم نہ ہوتا تو ایسے لائق و فائق ذہین آدمی کے ساتھ کیسے بحث کرتے۔ اور اگر بالفرض مولوی صاحب بحث بھی کرتے تاہم نواب صاحب مرحوم کو ضرور تھا کہ ایسے بے علم آدمی کے ساتھ بحث نہیں کرتے اور اپنا جانب مخالف نہ گردانتے۔ البتہ جناب مولوی صاحب سے بعد استفسار کے معلوم **ہوا کہ اتنی بات صحیح ہے کہ مسئلہ معقول میں گفتگو پیش ہو گئی تھی، مگر نواب صاحب مرحوم کے خلافِ مرضی نہ تھی، بلکہ اُن کی مرضی کے موافق یہ بحث اور گفتگو مسئلہ معقول میں پیش ہو گئی**

---

(۱۱) لڑکا اپنے باپ کا راز دار ہوتا ہے۔ (۱۲) جنتی

تھی، اس لیے کہ نواب صاحب مرحوم خود ذی علم اور مباحثہ علمی کا اُن کو ہمیشہ سے شوق تھا۔ مگر یہ جانب مخالف طوفان باندھتا ہے کہ اُن کی مخالفت کے سبب سے میں نے **(۱۳)** مدرسہ چھوڑا ہے۔ خدا اسے شرم کرو، زندوں! مُردوں پر ایسے بہتان مت باندھو۔

اور جناب مولوی صاحب یہ بھی فرماتے تھے: کہ جناب نواب صاحب مرحوم محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فانی اور علم اخلاق و علم تصوف سے بخوبی خبردار تھے، اگرچہ بظاہر امیر مگر باطن میں فقیر تھے، تو ایسے شخص کی نسبت مجھ ناچیز کی کیا حقیقت تھی کہ مخالفت کرتا اور اگر کرتا بھی تو وہ راضی کرتے۔ اللہ ہم سب کو ہدایت فرمائے اور خاتمہ بخیر کرے۔ جانب مخالف اپنی "اتباعِ سنّت" کے صفحہ ۳ میں تحریر کرتا ہے کہ:

"جناب ڈپٹی صاحب ان مسائل کو ناجائز فرماتے تھے، اور مولوی صاحب بھی ان مسائل میں اُن کے ہم پیالہ وہم نوالہ رہے۔ چنانچہ اُس زمانے کے بعض فتووں پر مولوی صاحب کی مہر موجود ہے کہ یہ اُمور یعنی تیجہ وفاتحہ وغیرہ ناجائز اور بدعت ہیں۔ اور بعض فتوے اُن میں سے چھَپ کر مشتہر ہوگئے اور بعض اس شہر میں بعینہٖ موجود ہیں، جس کو تردّد ہو وہ ہمارے پاس آئے ہم اُس کو دِکھادیں گے۔"

اقول: جس وقت آپ نے ہمیں مولوی صاحب کا مہری ود ستخطی فتویٰ دکھلایا تو اُس وقت ہم لا و نعم کا جواب دیں گے۔ اس لئے کہ آپ کی طبیعت میں ہمیشہ سے افترا و سخن پروری **(۱۴)** ہے، لہٰذا آپ کی بات قابل تسلیم نہیں ۔

اور "اتباع السنہ" میں صفحہ ۴ پر لکھا ہے کہ:

"مولوی صاحب کو ڈپٹی صاحب کے یہاں بہت کچھ رسوخ ہوگیا۔ حتی کہ مدرسہ کے مدرس ہوگئے۔ (یہ علم کی وجہ تھی نہ کہ بے علمی کی) اور ڈپٹی صاحب کی زندگانی بھر اسی عقائد پر رہے (سوائے افترا کے تم کو تو اور کام ہی نہیں) اور بمبئی والوں کی وجہ سے تبدیل مذہب کیا۔ اور واپس آکر یہ رسالہ جات (نعوذ باللہ من ذالک) جواز بدعات میں تحریر کیے۔"

(۱۳) مولانا گل محمد قدس سرہ **(۱۴)** تہمت اور ہٹ دھرمی

اقول: اگر تبدیلی مذہب کی وجہ بمبئی کا چندہ ہوتا تو اب بمبئی کا چندہ نہیں ہے تو پھر مولوی صاحب، ڈپٹی صاحب کے زمانے کا مذہب کیوں اختیار نہیں کر لیتے؟

اور اگر آپ یہ کہیں کہ اب اور ہم مشربوں کے سبب سے نہیں کرتے تو یہ اعتراض ہر عالم پر وارد ہو سکتا ہے، مولوی صاحب کی کیا تخصیص ہے۔ اور اگر باقی فضائل علمی اور حُسنِ انتظام تعلیم و تعلّم مدرسہ کا اگر آپ کو یقین نہ ہو تو (مدرسہ امدادیہ کا) روئداد مطبوعہ ۱۸۸۳ء وغیرہ جو ڈپٹی صاحب کے زمانے کی ہیں دیکھو اور اب بھی جو مدرسہ کے سالانہ اشتہار چھپتے ہیں دیکھو۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب راچہ گناہ　　　**(۱۵)**

نیز جانب مخالف اپنی ”اتباع السنہ“ کے صفحہ ۴ میں بعد اظہار افتراے کیفیت علمی بہ نسبت جناب مولانا صاحب کے لکھتا ہے:

”اور (جناب مولوی صاحب کی) اتباع سنت کی یہ کیفیت ہے کہ اگر کوئی صاحب یہ امر تحقیق کرنا چاہیں کہ مولوی صاحب جمعہ باجماعت پڑھتے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام مرادآباد میں ایسا کوئی شخص شاید نہ ملے گا جو یہ بیان کرے کہ مولوی صاحب فلاں مسجد میں جمعہ باجماعت پڑھتے تھے۔ بلکہ آج کیا معنی گذشتہ ۵،۷ برس میں بھی اگر تلاش کروگے تو ایک گواہ سچّا اس بات کا نہ پاؤ گے کہ مولوی صاحب کو اُس مسجد میں جمعہ با جماعت پڑھتے دیکھا۔ الاماشاء اللہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ”ماآتکم الرسول فخذ وہ“ (۱۶) پر کیا کچھ عمل ہے۔ ناظرین کو اگر میرا یقین نہ ہو تو شہر میں تحقیق کر لیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک حرف کا سرمو (۱۷) فرق نہ پائیں گے۔“

اقول: افترا سے در گذر کر انصاف یہ ہے کہ اوّل جناب مولوی صاحب حامی سنت کی بیماریوں کا حال تمام شہر کے طبیبوں سے دریافت کرنا چاہیے کہ اُن کو عرصہ آٹھ ۸

---

(۱۵) اگر دن کی روشنی میں چمگادڑ کی آنکھ نہ دیکھے تو سورج کا کیا قصور۔

(۱۶) رسول تمہیں جو دیں وہ لے لو۔ **(۱۷)** بال برابر

سال یا کچھ کم و بیش سے وہ وہ سخت اور ہائل **(۱۸)** بیماریاں لاحق حال ہیں کہ اگر دوسرے شخص کو ہوتیں تو خدا جانے کہ اُس کا کیا حال ہوتا، اور وہ کیا کیا بے چینی ظاہر کرتا۔ لیکن مولوی صاحب باوجود ان سخت مسطورہ ذیل **(۱۹)** بیماریوں کے صبر کرتے ہیں اور مسائل ضروریہ شرعیہ کا جواب دیتے اور علوم دینیہ حتی المقدور پڑھاتے ہیں۔ اور وہ بیماریاں یہ ہیں کہ دردِ کمر یہاں تک کہ بعض اطبا کے گمان میں وجع الورک ہے، اور دمہ کی ایسی سخت بیماری اُن کو لاحق حال ہے کہ پانچ چھ قدم چلنے سے تمام بدن کا حال متغیّر اور اکثر اوقات کھانسی بھی شروع ہوتی ہے ، اور برس دو برس گٹھیا کی بیماری بھی رہی کہ نہ طاقت نشست و برخاست **(۲۰)** اور نہ دوسرے شخص کی مدد کے بغیر چارپائی سے اُترنے کی طاقت اور مدت تک مرض تبخیر شدید میں گرفتار رہے۔ اور مدت مدید سے سالانہ ششماہی دردِ گردہ کا ایسا دورہ پڑتا ہے کہ خدا نجات دے۔ مگر اب فضل الٰہی ہے کہ اور بیماریوں میں شہر اور باہر کے کثیر اطبا کے علاجوں کے سبب قدرے افاقہ ہے۔ مگر دردِ کمر کہو یا وجع الورک کہو اور نیز مرض دمہ بھی ابھی تک ایسا لاحق حال ہے کہ ان دونوں کے سبب سے چلنا درکنار بلکہ نشست و برخاست بھی اُن سے بمشکل ہوتی ہے۔

اور سب مرادآباد والوں کو معلوم ہے کہ ان امراض شدیدہ کی وجہ سے. مرادآباد چھوڑ کر وطن جانے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ یہاں سے پشاور پہنچ کر وہاں ڈیڑھ دو برس بھی رہے مگر آگے جانے کی سبیل نہ ہو سکی۔ لہٰذا ہماری خوش نصیبی سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ہند کی ہدایت کے واسطے پھر مرادآباد بھیجا۔ اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو تو سب مرادآباد والوں سے پوچھنا چاہیے۔ چوں کہ جناب مولوی صاحب کی بیماریوں کا حال یہ ہے کہ بسبب امراض شدیدہ مثل دمہ و درد کمر اور اس سال ان بیماریوں کے علاوہ اور بیماریاں بھی لاحق حال ہوئیں کہ اُن کے سبب سے نشست و برخاست بھی مشکل ہے۔ تو جمعہ اور جماعت کیسے اُن پر واجب اور لازم ہوں گی۔ سب فقہا بالاتفاق لکھتے ہیں کہ:

(۱۸) شدید **(۱۹)** نیچے لکھی ہوئی **(۲۰)** اٹھنا بیٹھنا

"جس مریض کا حال ایسا ہو کہ بیماری کی وجہ سے چلنے کے قابل نہ رہے تو اُس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ چنانچہ عالمگیری کے باب الجمعہ میں مسطور ہے:

"لاتجب الجمعة علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضیٰ" **(۲۱)**

یعنی غلاموں، عورتوں، مسافروں اور بیماروں پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

ھکذا فی باقی کتب الفقه۔ **(۲۲)**

اور نیز ایسے بیمار پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا لازم نہیں ہے۔

چنانچہ عالمگیری میں مسطور ہے:

کہ نماز باجماعت عذروں کے سبب سے ساقط ہوتی ہے، یہاں تک کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مریض پر واجب نہیں ہے۔ اور وہ عبارت یہ ہے:

"وتسقط الجماعة بالاعذار حتی لاتجب علی المریض" **(۲۳)**

کتب فقہ میں اور بھی بہت سے اسباب بیان کیے گئے ہیں کہ جن کے سبب سے جماعت ساقط ہوتی ہے۔ چوں کہ کتب فقہ میں مضامینِ احادیث رسول کماحقہ بیان ہوتے ہیں لہٰذا مولوی صاحب مدظلہ " مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ " **(۲۴)** کے مصداق ہو گئے۔ اور بموجب اقوال گذشتہ کے جانب مخالف " مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا " **(۲۵)** سے خارج اور "من شذ شذ فی النار" **(۲۶)** میں داخل ہوا۔

نیز جانب مخالف اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۴ کی اخیر سطر میں لکھتا ہے کہ:

"اس بیان سے معلوم ہو جائے گا کہ مولوی صاحب کا علم کہاں تک ہے، حدیث، تفسیر، فقہ اصول کچھ نہیں پڑھا، (نہ پڑھنے کا تو یہ ثمرہ ہے کہ آپ جواب نہیں دے سکتے، اگر پڑھتے تو کیا ہوتا؟) **کچھ فقہ ابتدائی اپنے وطن میں پڑھ آئے تھے۔** (یہ قول پہلے قول

---

(۲۱) فتاوی عالمگیری، باب صلاۃ الجماعة، جلد ۱ صفحہ ۱۴۴،

(۲۲) ایسا ہی بقیہ کتب فقہ میں ہے۔

(۲۳) فتاوی عالمگیری، جلد ۱/۸۳، باب الامامة، الفصل الاول فی الجماعة۔

کے برخلاف ہے۔ کہ فقہ اصول کچھ نہیں پڑھا) **غور کرو کہ ایسا شخص مسئلہ شرعی میں کتنا دخل دے سکتا ہے!** (انہوں نے اتنا دخل دیا کہ آپ ہر سوال کے جواب میں حیران ہو گئے، چنانچہ آئندہ اس کی تفصیل آئے گی۔) **وہ کتب شرعیہ کو کیا سمجھ سکتا ہے!"** (اس کا حال اس وقت معلوم ہو گا کہ میری کتاب اخیر تک آپ دیکھیں، باوجودیکہ میں جناب فیض مآب کا ادنیٰ درجہ کا شاگرد ہوں، جو کچھ میں نے حاصل کیا ہے، یہ اُنہیں کی خدمت کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔)

نیز جانب مخالف نے اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۴ میں مولوی صاحب مدظلہ کو **مسمریزم اور رمل کی طعن دی کہ ان دونوں (مسمریزم اور رمل) کو سیکھا اور مشق کی۔**

اقول: وجہ اس افترا کی یہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کے پاس بکثرت بیمار آتے ہیں اور اُن سے اپنی بیماریوں کا حال ظاہر کرتے ہیں۔ جناب مولوی صاحب اسم ذات پڑھ کر اُن بیماروں پر پھونکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان بیماروں کو شفا عطا فرماتا ہے۔ تعویذ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یا اللہ اچھا کر" اور کبھی تحریر فرماتے ہیں **"انی مغلوب فانتصر"(۲۷)** اور کبھی دیگر اسماے الٰہیہ۔ اکثر لوگ اُن سے اپنے خواب کی تعبیر لیتے ہیں۔ اور استخارہ کا طریقہ

---

(۲۴) جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو۔ (ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۲۸: سورہ حشر، آیت ۷)

(۲۵) اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۲۸: سورہ حشر، آیت ۷)

(۲۶) یہ ایک حدیث پاک کا آخری ٹکڑا ہے پوری حدیث اس طرح ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایجمع اللہ امتی علی الضلالۃ ابدا ویداللہ علی الجماعۃ ھکذا فاتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار" [المستدرک للحاکم، کتاب العلم ۱/۲۰۱]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا اور جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ جہنم میں الگ ہی جائے گا۔

(۲۷) میں مغلوب ہوں تو میرا بدلہ لے۔ [ترجمہ کنز الایمان: پارہ ۲۷، سورۃ القمر، آیت ۱۰]

سیکھتے ہیں۔ اور جناب مولوی صاحب کی تعبیر خواب ایسی ٹھیک اور سچی ہوتی ہے کہ سرِ مو فرق نہیں رہتا۔ (اسی طرح) استخارہ کا عمل اُن کا ایسا مجرب ہے کہ کسی نے خواب یا بیداری میں جو کچھ دیکھا وہ بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ دیکھا۔

چوں کہ جانب مخالف اور اُن کے ہم مشربوں نے یہ امر مولوی صاحب کا دیکھا اور لوگوں کی توجہ بکثرت اس طرف پائی تو اسمِ ذات کے عملیات پر تو یہ افترا شروع کیا کہ یہ مسمریزم ہے، اور خوابوں کی تعبیر پر یہ تہمت لگائی کہ انہوں نے رَمل سیکھا ہے۔ مقصود اس افترا سے صرف یہ ہے کہ مولوی صاحب کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔

چراغی را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس دم زند ریشش بسوزد **(۲۸)**

بھلا (جانب مخالف نے) اتنا نہ سمجھا کہ ابوجہل کے انکارِ اعجاز رسول اکرم سے اشاعت اسلام نہ رکی، نہ اس میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ یہ کیا اعتراض ہے کہ مولوی صاحب نے رمل سیکھا! خود تو سب سے عاری اوروں پر اعتراض!

جانب مخالف کا اپنے مدعا یعنی حُرمت فاتحہ مروجہ ہند کو دلیل شرعی سے ثابت کرنے سے انکار

جناب مولوی صاحب قامع بدعت مدظلہ نے **"دُعاے برکت"** کے اخیر میں یہ تحریر فرمایا تھا: کہ میں نے یہ مسائل قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت کیے ہیں، اگر کوئی ایسا ہو کہ یہ مسائل اُس کے عندیات **(۲۹)** کے بر خلاف ہوں اور جواب کے لیے بہ نیّت اظہار حق مستعد ہو اور احقاق واثبات حق اُس کو منظور ہو تو مولوی صاحب مدظلہ نے مدعی حق سے چند دلائل طلب فرمائے تھے، اس لیے کہ جس کو اثباتِ حق منظور ہو، وہ حق کا مدعی ہوگا اور مدعی سے دلیل مانگنا مناظرہ رشیدیہ اور آدابِ باقیہ سے بر خلاف نہیں ہے۔

---

(۲۸) جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن فرماتا ہے۔ (اس کو بجھانے کے لئے) جو شخص بھی پھونک مارتا ہے اس کی داڑھی جل جاتی ہے۔ **(۲۹)** منشاء

مگر جانب مخالف کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ کہے کہ میں حق کا مدعی ہوں اور میرا مدعا حق ہے، اوراس کی حقیقت ان دلائل طلب شدہ سے ثابت کرتا ہوں۔ (لیکن جانب مخالف ایسا نہیں کرسکا کیوں کہ) وہ خوب جانتا ہے کہ اُس کا مدعا نہ کسی روایت صحیحہ سے اور نہ اقوال فقہا سے ثابت ہے، ورنہ اُس کو روایات صحیحہ اور اقوال فقہا سے دلیل لانے میں کیا عذر تھا؟ اور ساری کتاب کو بے سند اعتراضوں سے بھر دیا۔ اگر اُن کی دلیل ہوتی تو اتنے صفحوں کو بے سند اعتراضوں سے کیوں کالا کرتا؟ بلکہ دلائل مطلوبہ اپنی کتاب میں لکھتا، تاکہ اُس پر سب کا اتفاق ہوکر عند اللہ ماجور ہوتا۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جانب مخالف کو آئندہ بھی دلیل لانے کی جرأت نہیں ہے۔

چنانچہ اتباع السنہ کے صفحہ ۶ کے اخیر میں لکھتا ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے:

(یعنی مولوی صاحب مدظلہ) اگر از سرِ نو اپنے مدعا کو دلائل سے ثابت کرے تاہم میں اعتراض کروں گا۔"

وہ دلائل جو مولوی صاحب نے جانب مخالف سے طلب فرمائے ہیں وہ ایسے ہیں کہ بغیر اُن کے جانب مخالف کا مدعا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، مگر انہوں نے ہر جگہ اپنے مدعا کی حقیقت ثابت کرنے سے گریز کیا ہے۔ حضرت مجمع الفیوض کا مطالبہ اوّل جانبِ مخالف سے یہ ہے کہ اگر جانب مخالف اِس امر کا مدعی ہو کہ یہ امور جو احادیث صحاح سے ثابت اور کتاب **"دُعاے برکت"** میں مسطور ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں، غیر کے لئے جائز نہیں، تو اِن اُمور کا اختصاص رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کسی دلیل شرعی سے ثابت کرے۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ اگر جانب مخالف اس امر کا مدعی ہو کہ یہ اُمور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں تو جب تک اس اختصاص کو دلیل شرعی سے ثابت نہ کرے تو ہم کیسے جانیں گے کہ اُس کا مدعا صحیح ہے۔ جانب مخالف نے جو اس مطالبہ کا جواب صفحہ ۶ میں دیا، وہ یہ ہے:

"میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ عالم ہو کر ایسا فرمائیں، مدرسہ کے مدرس اوّل آپ

نے ضرور کبھی نہ کبھی مناظرہ رشیدیہ، یا آداب باقیہ یا اُصول فقہ پڑھا نہ سہی دیکھا تو ہو گا۔ آپ مدعی ہیں مسئلے کو دلیل سے یا حدیث صحیح سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، جو کوئی آپ کو جواب دے گا وہ مجیب اور سائل ہو گا، اُس کو اختیار ہے کہ آپ کی دلیل پر نقض اجمالی کرے یا نقض تفصیلی کرے یا معارضہ کرے یا منع وارد کرے، پھر چاہے سند لائے اگر حاجت ہو یا نہ لائے۔"

اقول: کیاخوب سوال از آسمان جواب از ریسمان **(۳۰)**

جناب مولوی صاحب نے آپ سے یہ استفسار فرمایاہے کہ اگر آپ اس امر کے مدعی ہوں کہ جو امور دُعاے برکت میں مسطور ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں، تو یہ اختصاص کسی دلیل شرعی سے ثابت کرو۔ اور یہ مردک **(۳۱)** یہ جواب دیتاہے کہ مجھ کو اختیار ہے کہ آپ کی دلیل پر بے سند و باسند اعتراض کروں۔ اب میں جانب مخالف کو سُناتاہوں کہ بخوبی اطمینان رکھو کہ آپ کے جملہ اعتراضات مندرجہ **"اتباع السنہ"** کا جواب آئندہ کتاب میں ان شاء اللہ بخوبی تحریر کروں گا۔ مگر یہ امر ضرور ہے کہ اگر آپ کا مدعا ان اُمور کا اختصاص کلاًیا بعضاًرسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہو تو کسی دلیل شرعی سے اس کو ثابت کرو۔

چنانچہ "نورالانوار" میں مسطور ہے کہ:

"والصحیح عندنا ان ما علمنا من افعاله صلی الله علیه وسلم واقعا علی جهة من الوجوب او الندب والاباحة نقتدی به فی ایقاعه علی تلك الجهة حتی یقوم دلیل الخصوص فما کان واجبا علیه یکون واجبا علینا وماکان مندوبا علیه یکون مندوبا علینا وماکان مباحا له یکون مباحا لنا" **(۳۲)**

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی صفت ہم کو معلوم ہے کہ وہ رسول

---

(۳۰) سوال کچھ اور جواب کچھ۔ **(۳۱)** حقیر آدمی۔

(۳۲) نورالانوار، ص،۲۱۷، بحث افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت واجب یا مستحب یا مباح ہے، تو ہم بھی اس فعل کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے لئے ویسا ہی جان کر کریں گے، یہاں تک کہ دلیل خصوصیت قائم ہو۔ نیز قاعدہ اصولیہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس فعل کی صفت ہم کو معلوم نہ ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت واجب یا مستحب یا مباح ہے تو ہم یقین کرتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ اس فعل کا اباحت ہے۔ اور پیروی اس فعل کی اصل ہے، اور تمسک اور عمل اصل پر واجب ہے۔ یہاں تک کہ دلیل خصوصیت قائم ہو۔

چنانچہ حسامی میں مسطور ہے کہ:

"ومالم نعلمه على اى جهة فعله فلنا فعلُه على ادنىٰ منازل افعاله صلى الله عليه وسلم و هوالاباحة لان الاتباع اصل فوجب التمسك به حتى يقوم دليل خصوصه به" **(۳۳)**

اور نورالانوار میں مسطور ہے کہ:

"ومالم نعلم على اية جهة فعله قلنافعله على ادنى منازل افعاله و هوالاباحة لانه لم يفعل حراما اومكروها البتة فلابد ان يكون مباحاً" **(۳۴)**

یعنی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جس فعل کی کیفیت ہم کو معلوم نہ ہو تو ادنیٰ درجہ اُس فعل کا اباحت ہے، اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فعل حرام ومکروہ کو نہیں کیا ہے۔

نیز قاعدہ اُصولیہ یہ ہے: کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی فعل کریں اور اُس فعل کی خصوصیت کی دلیل متروک اور غیر مذکور ہو تو جانو! کہ اس فعل میں نبی مقتدا ہیں اور اُمت اُن کی تابع دار۔ یعنی اُمت بھی وہی فعل کرے گی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ چنانچہ غایۃ التحقیق شرح حسامی میں موجود ہے کہ:

"الرسل ائمة يقتدى بهم فالاصل فى كل فعل منهم جواز الاقتداء بهم الا ما

---

(۳۳) حسامی، ص، ۹۲، بحث السنۃ

(۳۴) نورالانوار، ۲۱۷ بحث افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ثبت فیه دلیل الخصوصیة واذا کان الاصل ھٰذا ففی کل فعل یکون منھم بصفة الخصوص یحبب بیان الخصوصیة"(۳۵)

اور نیز غایۃ التحقیق میں مسطور ہے کہ:

"فترک بیان الخصوصیة دلیلا علی انه من جملة الافعال التی ھو فیھا قدوۃ امته "(۳۶)

یعنی جہاں دلیل خصوصیت متروک ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ فعل اُن افعال میں سے ہے جو کہ امت کے لئے جائز ہیں۔

اب اگر آپ ان اُمور کی خصوصیت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ضرور اس اختصاص کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں! اور کیا تعجب ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ امور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے ہیں، لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں تو اس کا جواب "دُعاے برکت مطبوعہ مطبع شمس المطابع مرادآباد" کے آخر میں بخوبی مسطور ہے۔ اگر آپ اس کو دیکھیں تو آپ کو کامل تشفی ہو گی۔ مگر حسد بری بلا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بمیر تا برہی اے حسود کین رنجیست   کہ از مشقت او جز بمرگ نتوان رست(۳۷)

جناب مولوی صاحب کا مطالبہ دوم جانب مخالف سے یہ ہے کہ جانب مخالف یعنی مدعی اگر ان اُمور کو جو دُعاے برکت میں مسطور ہیں اختصاص سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کرسکے تو یہ ثابت کرے کہ یہ اُمور اولاً شرع میں عموماً جائز تھے پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ممنوع اور منسوخ فرمائے۔ جانب مخالف

---

(۳۵) کتاب التحقیق المعروف بغایۃ التحقیق، لعبد العزیز بن احمد بن محمد بخاری، ص۱۹۹، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ۔ (۳۶) مرجع سابق:

(۳۷) اے حسد کرنے والے مر جا، تاکہ اس سے چھٹکارا پائے کہ یہ ایسا رنج ہے۔ کہ اس کی تکلیف سے سوائے مرنے کے اور کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔

نے اپنی 'اتباع السنہ' کے صفحہ ۷ میں اس مطالبہ دوم کا جواب یہ دیا ہے **کہ یہ شرط محض بے معنی ہے اور لاعلمی اور نادانی پر مبنی ہے، لہٰذا ہر گز منظور نہیں ہو سکتی۔** اب تو جانب مخالف ہوش پراگندہ و حواس باختہ چار خانے چت گرا، اور ہچکی لے کر رہ گیا۔ دلیل شرعی سے جواب دینا تو درکنار اعتراض کا بھی دم نہ مارا۔ یہ کیا سخت شرط تھی کہ اپنی عادت بھی بھول گیا اور اپنے قول سے وقتاً فوقتاً تنزل میں رہا۔ آیا کہ یہ لاعلمی ہے کہ کسی مسئلے کے لئے جو آپ کا عین مدعا ہے کوئی دلیل شرعی آپ سے مانگے تو آپ کے مناظرہ رشیدیہ اور آدابِ باقیہ کچھ کام نہ آئے۔ لہٰذا دونوں ہاتھ اُٹھا کر خداے پاک سے یہ دُعا مانگو! کہ اپنے خزانہ غیب سے نقد ہدایت عطا فرمائے اور فیضانِ رحمت سے ڈھانپ لے۔

مطالبہ سوم جناب ہدایت مآب مدظلہ کا جانب مخالف یعنی مدعی سے یہ ہے کہ اگر ان امور کی تخصیص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ کر سکے اور نہ یہ ثابت کر سکے کہ اولاً یہ اُمور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جاری تھے بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ممنوع اور منسوخ فرمایا تو صاف صاف یہ لکھے کہ خدا اور سول کے قول سے ان امور کی تخصیص و نسخ ثابت نہیں ہے، بلکہ اِن اُمور کو علما نے بدعت لکھا ہے۔ اور "کل بدعۃ ضلالۃ" **(۳۸)** کے تحت داخل کیا ہے، تو ان علما کا قول اس شرط پر بسر و چشم مقبول ہے کہ باتفاق فقہا یہ علما طبقات مجتہدین میں داخل ہوں، اور اُن کی روایات جو اثبات مدعا کے لئے نقل کرے مفتی بہا بھی ہوں۔ تو جانب مخالف نے اس مطالبہ سوم سے اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۸ میں یہ عذر پیش کیا کہ:

ایسی ناانصافی کی شرط کون سا عاقل منصف قبول کر سکتا ہے؟ اور کس کو ضرورت ہے کہ آپ کے جواب میں اقوال بزرگاں نقل کرے۔

اب اس مرد مجذوب **(۳۹)** کا حال تو دیکھو! کہ بزرگانِ دین اور فقہاے مجتہدین کے اقوال نقل کرنے سے بھی صاف انکار کرتا ہے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے تو اور کیا

---

(۳۸) ہر بدعت گمراہی ہے. **(۳۹)** پاگل

ہے؟اب یہ بحث در پیش ہے، کہ یہ تین سوال جو جناب مولانا صاحب مدظلہ نے تحریر فرمائے اُن کا جواب آپ نہ دے سکے۔ اب میں بھی آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے مدعا کی حقیقت کے مدعی ہوں تو ان تینوں مطالبات کا جواب ضرور دیں جو جناب مولوی صاحب عم فیوضہم نے آپ سے کیے ہیں۔ ورنہ اپنا **"مناظرہ رشیدیہ"** اور **"آداب باقیہ"** بغل میں داب کر کنج عزلت **(۴۰)** اختیار کریں۔

ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد — ساعد سیمین خود را رنجہ کرد **(۴۱)**

آمدم بر سر مطلب:(۴۲) جناب مولانا صاحب مدظلہ نے ابتداے کتاب **"دُعاے برکت"** میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض بعض مسائل مبسوطہ آتیہ یعنی مردوں کو ایصال ثواب اور حصول برکات بزرگان دین وغیرہ کی غرض سے طعام پر فاتحہ دینا جو اس رسالہ میں مشروحاً بیان کیے گئے ہیں اوراحادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ جانب مخالف نے اتباع السنہ کے صفحہ ۸ میں اس قول کا جواب یہ لکھا ہے کہ:

"اگر مبسوط آیت سے مراد ہے کہ مسائل مذکورہ آیت قرآنی سے ثابت ہیں اور قرآن میں مبسوط ہے تو غلط ہے۔ کیوں کہ مؤلف نے تمام رسالہ میں کوئی آیت ان مسائل کی دلیل میں نہیں لکھی ہے۔ مؤلف کے نزدیک قرآن، حدیث دونوں کا حکم ایک معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اصلی قرآن تو ملتا نہیں ہے، اور یہ مصحفِ عثمانی ٹھہرا۔ تو اس کا مرتبہ کیوں کر حدیث سے بڑھے گا۔ لہٰذا حدیث سے دلیل لانا گویا قرآن سے دلیل لانا ہے یا بر بنادروغ گوراحافظہ نباشد(۴۳) یاد نہ رہا ہو کہ میں خطبے میں کیا لکھ آیا ہوں۔"

جواب: جانب مخالف نے کتنی غلطیاں کیں۔ اوّل یہ کہ مولانا صاحب مدظلہ نے لفظ **آتیہ** لکھا تھا، جس کے معنی آئندہ ہیں۔ اور اُنہوں نے بسببِ ناحرف شناسی کے **آتیہ**

(۴۰) مکمل تنہائی

(۴۱) جو کہ فولادی بازو سے پنجہ آزمائی کرے گا۔ اپنی چاندی سی کلائی کو رنجیدہ کرے گا۔

(۴۲) اب میں اصل مطلب بیان کرتا ہوں۔ **(۴۳)**: جھوٹے کو یاد نہیں رہتا۔

کو **آیت** پڑھا، اور یہ اعتراض شروع کیے کہ تم نے تمام رسالے میں کوئی آیت ان مسائل کی دلیل میں نہیں لکھی۔ افسوس !اگر جانب مخالف کتاب **"دُعاے برکت"** کسی حرف شناس **(۴۴)** دوکان دار سے بھی پڑھ لیتے تو اُمید تھی کہ اس غلطی سے بچتے۔

دوم یہ کہ مولانا صاحب بعضے مسائل دعاے برکت کے لیے قرآن شریف سے بھی دلیل لائے ہیں جس کا اقرار جانب مخالف نے اپنی **"اتباع السنہ"** کے اخیر میں صفحہ ۳۵ پر خود کیا ہے کہ اس مسئلے کو تم نے آیت اور حدیث سے لکھا ہے، وہاں تاخیر دُعا کے لئے مفید ہے مضر نہیں۔ اور وہ عبارت یہ ہے کہ بجنسہٖ نقل کرتا ہوں: **جو آیت اور حدیث مؤلف نے لکھی ہے وہاں تاخیر مفید ہے مضر نہیں۔ اور ایصال ثواب طعام وغیرہ میں تاخیر مضر ہے"**

جانب مخالف کی اس عبارت سے صاف یہ اقرار ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی مولانا صاحب نے اپنی کتاب کے بعض مسائل کے لئے قرآن شریف کی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ جانب مخالف نے یہ نہ سوچا کہ میں اپنی **"اتباع السنہ"** کے صفحہ ۸ پر کیا لکھ آیا ہوں اور صفحہ ۳۵ پر کیا لکھ رہا ہوں۔ اب بتاؤ کہ دروغ گو را حافظہ نباشد **(۴۵)** کا مصداق کون ہے؟ ؎

ہر آن کہتر کہ با بہتر ستیزد چنیں افتد کہ ہر گز بر نخیزد **(۴۶)**

شاید یہ کتاب کسی کمیٹی نے لکھی ہو کہ شروع میں کسی نے کچھ لکھ دیا اور آخر میں کسی نے کچھ۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے حال سے بے خبر رہ کر یہ کتاب چھپوادی گئی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اصول یا مناظرہ رشیدیہ اور آدابِ باقیہ سے کچھ ایسے مضامین کا جواز ثابت کیا ہو جن میں تناقص ہو۔ ؎

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند در جہل مرکب ابد الدہر بماند **(۴۷)**

---

(۴۴) حرف کو پہچاننے والا۔ **(۴۵)** جھوٹے کو یاد نہیں رہتا۔

(۴۶) جو حقیر کسی بہتر سے لڑے گا، ایسا گرے گا کہ ہر گز اٹھ نہ سکے گا۔

(۴۷) جو شخص کہ نہیں جانتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے تو وہ ہمیشہ مکمل جہالت میں رہتا ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ قریب ۹۔۱۰ سال قبل جناب مولوی صاحب مدظلہ نے **"دُعاے برکت"** تالیف فرمائی تھی، لہٰذا اُسی وقت سے جانب مخالف نے جواب لکھنا شروع کیا ہو اور (اتنے طویل عرصے میں) اخیر میں اوّل کی بات یاد نہ رہی ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آیت" استغفروا ربکم الاٰیۃ"جو کہ مولوی صاحب نے اپنے اثبات مدعا کے لیے نقل کی ہے، جانب مخالف کے نزدیک یہ آیت نہ ہو، اور اُنہوں نے اپنے اس قول پہ عمل کیا ہو کہ "**اصل قرآن تو ملتا نہیں ہے اور یہ مصحفِ عثمانی ٹھہرا، پھر اس کا مرتبہ کیوں کر حدیث سے بڑھے گا**"حقیقت تو یہ ہے کہ "لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر"یعنی ہرگز عطار اُس کی اصلاح نہیں کر سکتا ہے جس کو زمانے نے سڑایا۔ ماشاء اللہ مجتہد صاحب یعنی جانب مخالف سب ہی گنوں میں پورے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی کتاب سے اتباع سنت اور ارشاد المسلمین کا بھی ارادہ رکھتے ہیں: ؎

اگر ایں مکتب ست وایں ملا کارِ طفلاں تمام خواہد شد **(۴۸)**

ہماری رائے یہ ہے کہ اگر آپ اپنی اصلاحِ معاد **(۴۹)** چاہیں تو کسی سے کتاب **"دُعاے برکت"** پڑھ کر اُس پر عمل کیجئے، اور گالی دینا اور سخت کلامی کرنا اہل اسلام کا شیوہ نہیں ہے۔ جو حق بات تھی میں نے بیان کی۔ ؎

مرادما نصیحت بود گفتیم حوالت با خدا کردیم ورفتیم **(۵۰)**

نیز جانب مخالف نے اپنی **"اتباع السنہ"** کے صفحہ ۹ میں تحریر کیا ہے:

"موٗلف نے برائے حیلہ فریبی ودھوکہ دہی عوام چند سوال، جواب ذہن سے تراشے ہیں۔ اور چند اُمور جدا جدا احادیث سے ثابت کرکے فاتحہ مروجہ دیارِ ہند کو ثابت کرنا چاہا ہے۔"

اقول: جدا جدا حدیث سے اگر مولانا صاحب مدظلہ نے یہ اُمور مستحبہ ثابت کیے ہیں

---

(۴۸) اگر یہی مدرسہ رہا اور یہی ملا، تو بچوں کا کام تمام ہو جائے گا۔ **(۴۹)** آخرت

(۵۰) ہمارا مقصد نصیحت کرنا تھا وہ ہم نے کر دی اب تجھ کو خدا کے حوالے کرتے ہیں اور ہم جاتے ہیں۔

تو کیا مضائقہ **(۵۱)** ہے؟ اس لئے کہ اگر ایک حدیث میں جمیع آداب و مستحبات شرع ہوتے تو صحاح کی بڑی کتابوں کی کیا ضرورت تھی۔ اب ذرا غور سے دیکھو کہ کتب حدیث میں سب مستحبات اور آداب شرع ایک حدیث میں موجود ہیں یا نہیں! اگر نہ ہوں تو ائمہ دین نے بھی ان مستحبات اور آداب کو جدا جدا احادیث سے ثابت کیا ہے۔ تو کیا نقصان ہے کہ حضرت استادی نے بھی ائمہ دین کا اتباع کیا؟

نیز جانب مخالف نے اپنی **"اتباع السنہ"** میں صفحہ ۱۰ پر ایک سوال تحریر کیا ہے کہ اُس فاتحہ مروجہ میں جو اُمور اُن کے نزدیک شرک و بدعت ہیں، سب داخل کیے ہیں۔ اب اس سوال کو نقل کر کے بعونہٖ تعالیٰ قرآن شریف اور احادیث صحاح اور فقہا کی مفتٰی بہا روایتوں اور ضوابط اُصول سے جواب تحریر کرتا ہوں۔ اس سوال کا جواب کُل رسالے کا جواب سمجھنا چاہیے اس لیے کہ جانب مخالف نے اپنی "اتباع السنہ" میں فاتحہ مروجہ میں جو کچھ حرام لکھا ہے اور اُس کی حرمت کا قائل ہوا ہے، وہ سب اس سوال میں موجود ہیں۔

اور وہ سوال یہ ہے کہ جانب مخالف نے جناب مولوی صاحب قامع بدعت دام فیوضہم کی نسبت اپنی اتباع سنت کے ص۸ میں لکھا ہے کہ:

"مؤلف، سرقہ کو کام میں لاکر امر واقعی مروج زمانہ چھپاتا ہے۔ اگر امر مروج و مرسومہ بیان کرنا تھا تو یوں سوال کرنا چاہیے تھا۔ سوال، ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ طعام پختہ مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھا جاتا ہے، اور وہ اُس پر ہاتھ اُٹھا کر قرآن پڑھتا ہے اور اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے اور بدون (۵۲) اس ہیئت کذائی (۵۳) کے ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا۔"

اقول بتوفیق اللہ تعالیٰ: پہلے اس سوال کی تفصیل ضروری ہے تاکہ عام و خاص کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس سوال میں چند مضمون ہیں:

اوّل:- یہ کہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھا جاتا ہے۔

---

(۵۱) حرج **(۵۲)** بغیر **(۵۳)** موجودہ حالت

دوم:- یہ کہ مؤذن کھانا سامنے رکھے جانے کے بعد اس طعام پر ہاتھ اُٹھاکر صدقہ دینے والوں کے لئے دُعا کرتا ہے۔ **سوم:-** یہ کہ اس دُعا میں مؤذن وغیرہ قرآن پڑھتے ہیں۔

چہارم:- یہ کہ مؤذن وغیرہ اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔

پنجم:- یہ کہ اس ہیئت کذائی کے بغیر ایصالِ ثواب نہیں ہوتا۔

اب اس بحث کی تفصیل سوال وجواب کی صورت میں پیش کی جاتی ہے۔

سوال: ہند میں یہ طریقہ رائج ہے کہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھا جاتا ہے، آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:- مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھنا جائز اور فقہا کی کتابوں سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ یہاں کے لوگ صورت بالا میں طعام مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھ کر بہ نیت صدقہ مؤذن وغیرہ کو تملیک کرتے ہیں، چنانچہ جانب مخالف کے قول سے بھی ثابت ہے۔ جانب مخالف نے اپنی "اتباع السنہ" کے صفحہ ۱۴ پر لکھا ہے:

"ایصال ثواب میں صدقہ کا پہنچانا ہے، وہ فعل معطی (۵۴) ہے، جس کا تعلق معطی سے ہے، لہٰذا طعام سامنے رکھنا فضول حرکت ہے۔ اگر سامنے ہی رکھنا تھا تو صدقہ کرنے والے کو سامنے رکھ کر دُعا کرتے۔"

اور صدقہ بلکہ ہبہ بھی اُسی وقت صحیح اور مفید ملک ہوگا کہ مؤذن وغیرہ کو اس طعام پر قبضہ یا قبضہ پر قدرت حاصل ہو۔ چنانچہ در مختار میں مسطور ہے:

"والصدقة كالهبة بجامع التبرع وحينئذ لاتصح غير مقبوضة" **(۵۵)**

یعنی صدقہ مانند ہبہ بغیر قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔ نیز در مختار میں نتف سے منقول ہے:

"وفي النتف ثلثة عشر عقدا لاتصح بلا قبض" **(۵۶)**

یعنی تیرہ **(۱۳)** عقد بغیر قبضے کے صحیح نہیں ہوتے، اور شامی میں اس عبارت بالا

---

(۵۴) دینے والا **(۵۵)** الدر المختار، باب الرجوع في الهبة ۸/۵۱۹۔ **(۵۶)** مرجع سابق۔

کے تحت مسطور ہے کہ: " احدھا الھبۃ والثانی الصدقہ " **(۵۷)**

یعنی اُن میں سے ایک ہبہ اور دوسرا صدقہ ہے۔ نیز درمختار میں مسطور ہے کہ:

" والتمکن من القبض کالقبض " **(۵۸)**

یعنی قبض پر قابض ہونا قبض کے مانند ہے۔ اب ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ اور ہبہ کی صحت کے لئے قبضہ یا قبضہ پر قدرت امر ضروری ہے، اوراس کے بغیر تملیک حاصل نہیں ہوتی۔ اور مال صدقہ وہبہ فقیر وغیرہ کے سامنے رکھنا قدرت علی القبض بلکہ قبض میں داخل ہے۔ بشرطیکہ سامنے رکھنے کے بعد قبض میں کوئی مانع نہ ہو۔ یعنی تخلیہ کامل حاصل ہو۔ اور اگر سامنے رکھنے کے بعد کوئی مانع قبضہ موجود ہو جیسے صندوق وغیرہ میں طعام مقفّل **(۵۹)** کرکے فقیر وغیرہ کے سامنے رکھیں تو یہ نہ قبض میں داخل اور نہ قدرت علی القبض اور تخلیہ ہے۔ لہٰذا یہاں کے لوگ طعام غیر مقفّل **(۶۰)** یعنی بلا کسی مانع کے موذن وغیرہ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ موذن کو اس طعام کے قبضہ پر قدرت کاملہ حاصل ہو اور تخلیہ پایا جائے۔ اور یہ امر شرع سے ثابت اور فقہا کی کتابوں میں مسطور ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ:

" فلو وھب لرجل ثیابافی صندوق مقفل ودفع الیہ الصندوق لم یکن قبضالعدم تمکنہ من القبض وان مفتوحاکان قبضا لتمکنہ منہ فانہ کالتخلیۃ فی البیع " **(۶۱)**

اور غایۃ الاوطار میں اس عبارت بالا کا ترجمہ اس طرح ہے کہ:

" اگر ایک مرد کو کپڑے ہبہ کیے صندوق مقفّل میں اور صندوق مذکور اُس کے سامنے کیا تو اس کے قبض پر قادر نہ ہونے کے سبب یہ قبض نہ ہو گا، اور اگر صندوق کھلا ہو تو قبض ثابت ہو گا، سامنے کرنے سے یا حوالے کرنے سے بواسطہ قادر ہونے موہوب لہ کے قبض سے اس واسطے کہ قادر ہونا قبض پر مانند تخلیہ کے ہے بیع میں "(۶۲) ان عبارات مذکورہ درمختار اور ترجمہ غایۃ الاوطار سے معلوم

---

(۵۷) فتاوی شامی، ۸/ ۴۹۲، ۴۹۳۔ کتاب الھبۃ۔ **(۵۸)** الدر المختار، ۸/ ۴۹۳۔ کتاب الھبۃ۔

(۵۹) بند۔ **(۶۰)** کھلا ہوا۔ **(۶۱)** الدر المختار، ۸/ ۴۹۲۔ کتاب الھبۃ۔

(۶۲) غایۃ الاوطار، ۳/ ۴۹۲۔ کتاب الھبۃ، مطبع صدیقی بریلی۔

ہوا کہ فقیر کے سامنے صدقہ اور ہبہ کا مال رکھنے سے صدقہ صحیح ہوتا ہے اور یہ فعل جائز ہے نہ کہ ممنوع شرعی۔

سوال: یہاں فقیر یا موذن کو جو طعام پختہ بطور صدقہ یا ہبہ دیتے ہیں تو نہ دینے والا یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ مال تجھے صدقہ یا ہبہ کیا اور نہ ہی فقیر یا موذن یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قبول کیا۔ آیا یہ ہبہ اور صدقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ صدقہ اور ہبہ جو سائل نے ذکر کیا جائز ہے۔ اگر تملیک کے قرائن جیسے صدقہ کرنے والے کا دینا اور موذن وغیرہ کا لینا اور قبضہ کرنا موجود ہو، تو کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ شامی میں مسطور ہے:

"وفی خزانة الفتاوی:اذادفع لابنه مالافتصرف فيه الابن يكون للاب الااذادلت دلالة التمليك: بيرى: قلت فقد افادان التلفظ بالايجاب والقبول لايشترط بل تكفى القرائن الدالة على التمليك كمن دفع لفقير شيئاً وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما بشیء وكذا يقع فی الهداية" **(۶۳)**

اور نیز عالمگیری میں ہے کہ

" الهبة لاتصح الابقبولٍ بالقول واستحسن فی صحة الصدقة من غير قبول بالقول لجريان العادة فی كافة الاعصار بالتصدق على الفقراء من غير اظهار هم القبول بالقول كذا فی القنية" **(۶۴)**

اور یہاں بھی تملیک کے قرائن موجود ہیں اس لیے کہ صدقہ یا ہبہ کرنے والا، فقیر یا

---

(۶۳) فتاوی شامی، ۸/ ۴۹۰ کتاب الھبۃ۔

(ترجمہ) خزانۃ الفتاوی میں ہے کہ جب باپ نے اپنے لڑکے کو مال دیا اور لڑکے نے اس مال میں تصرف کیا تو وہ مال باپ کا ہی ہوگا مگر یہ کہ اس میں دلالت تملیک پائی جائے، میں کہوں گا کہ ایجاب و قبول کا تلفظ شرط نہیں ہے، بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کا پایا جانا کافی ہے، جیسے وہ شخص جس نے فقیر کو کچھ دیا اور فقیر نے اس پر قبضہ کر لیا اور دونوں میں سے کوئی کچھ بولا نہیں (تو یہ تملیک پر دال ہے) ایسا ہی ہدایہ میں ہے۔ **(۶۴)** فتاوی عالگیری، باب فی الصدقۃ، ۴/ ۴۰۶،

مؤذن کو مال صدقہ اور ہبہ دیتا ہے اور فقیر و مؤذن وغیرہ اُس پر قابض و متصرف ہوتے ہیں تو خیرات کرنے والے کا دینا تملیک کی دلیل ہے اور فقیر اور مؤذن کا قابض و متصرف ہونا قبول کا قرینہ ہے۔ چوں کہ اقوال فقہا سے ثابت ہوا کہ طعام صدقہ کو مؤذن وغیرہ کے سامنے رکھنے سے صدقہ صحیح اور مفیدِ ملک ہوتا ہے، لہٰذا یہ فعل جائز اور مشروع ہوا، خواہ صدقہ دینے والا اس بھید سے خبر دار ہو یا نہ ہو، نہ کہ شرک و بدعت۔ نیز طحطاوی میں بروایت ابو حفص عکبری وارد ہے:

"عن أنس أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم فهل يصل ذلك إليهم فقال: نعم إنه ليصل ويفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدي إليه"(٦٥)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم اپنے موتیٰ کی جانب سے صدقہ دیتے ہیں (اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں) اور اُن کے لئے دعا مانگتے ہیں آیا اس کا ثواب موتیٰ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہاں ثواب پہنچتا ہے اور موتیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے جب اسے کوئی طبق ہدیہ کیا جاتا ہے)

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دُعا کو صدقہ پر واو کے ذریعہ عطف کیا اور نتصدق اور ندعوا دونوں بتاویل مفرد ہو کر ضمیر متکلم سے خبر واقع ہیں۔ اور

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

(ترجمہ) ہبہ بغیر قول کے ذریعہ قبول کرنے کے صحیح نہیں ہے، اور بہتر ہے صدقہ کا صحیح ہونا بغیر قول کے ذریعہ قبول کرنے میں پورے زمانہ میں فقراء پر تصدق کرنے اور ان فقراء کا قبول بالقول کے اظہار نہ کرنے کی عادت کے جاری ہونے کی وجہ سے، ایسا ہی قنیہ میں ہے۔

(٦٥) الف: طحطاوی علی مراقی الفلاح: کتاب الصلوۃ، فصل فی زیارۃ القبور، ۶۲۱۔

ب: عمدۃ القاری، کتاب الوضوء، ۲/ ۵۹۹۔

واو کے عطف میں در حقیقت تین احتمال ہیں۔

ایک ان میں سے یہ ہے کہ واو کے ماقبل ومابعد کہ حدیث بالا میں صدقہ اور دُعا ہے، دونوں کے دونوں ایک زمانہ میں جمع ہوں۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ واو سے قبل جو یہاں صدقہ ہے پہلے ہو اور واو کے بعد جو دُعا ہے پچھلے زمانہ میں ہو۔

تیسرا یہ کہ مابعد واو پہلے اور ماقبل واو کا زمانہ پیچھے ہو۔ چنانچہ "نورالانوار" میں مسطور ہے:

"اذا قیل جاء نی زید وعمرو یحتمل انھما جاء اك معا او تقدم احدھما علی الاخر" **(٦٦)**

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ میرے پاس زید و عمرو آئے تھے، تو اس واؤ کے عطف میں یہ احتمال ہے کہ دونوں ایک زمانے میں آئے ہوں یا ایک پہلے دوسرا بعد میں۔ چوں کہ قاعدہ اصولیہ سے ثابت ہوا کہ واؤ کے استعمال میں تین احتمال ہیں۔ اور حضرت انس نے حدیث بالا میں صدقہ اور اور دُعا کے مابین واو کا استعمال کیا، اور سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو واؤ کے استعمال سے منع نہ فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں حدیث بالا میں واؤ کا کوئی احتمال ان تینوں احتمالوں میں سے ایسا نہیں ہے کہ موہم شرک اور امر ناجائز کا جواز ہو۔ ورنہ سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس کو واؤ کے استعمال سے منع فرماتے۔ اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایسے موقع پر واؤ کے استعمال سے منع فرمایا کہ جہاں واؤ کے استعمال موہم شرک اور امر ناجائز کا جواز تھا۔ چنانچہ بروایت احمد، ابو داؤد و نسائی حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقولوا ما شاء اللہ و شاء فلان ولکن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء فلان **(٦٧)**

---

(٦٦) نورالانوار، ١١٩، مبحث حروف العطف

(٦٧) الف: مسند احمد بن حنبل، ٥/٣٩٤،

ب: ابو داؤد، کتاب الادب باب لایقال خبثت نفسی، جلد ٢ ص ٦٨٠،

ج: سنن البیہقی، باب مایستحب قراءته فی الخطبة، ٣/٢١٦،

ترجمہ: یہ مت کہو کہ جو خدا نے چاہا اور فلاں نے چاہا وہ ہو گا۔**(۶۸)**

مرقات شرح مشکاۃ میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں خداے پاک کے ساتھ مشیت میں بندے کو برابر کرنا ہے، اس لیے کہ (یہاں) واؤ جمع اور اشتراک کے لیے ہے۔**(۶۹)** اور چوں کہ حدیث بالا میں سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس کو صدقہ اور دُعا کے مابین واؤ کے استعمال سے منع نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں واؤ کے استعمال میں جتنے احتمالات ہیں وہ سب شرعاً جائز ہیں اور ان میں سے کوئی بھی موہم شرک اور امر ناجائز کا جواز نہیں۔ لہٰذا اموات کے لیے پہلے دُعا مانگنا، بعد میں صدقہ دینا یا پہلے صدقہ دینا اور بعد میں دعا مانگنا یا دونوں کو ایک ساتھ انجام دینا، یہ سب کے سب جائز ہیں۔ اور اس حدیث بالا کے مطابق فقہا اور عقائد والوں نے بھی دُعا اور صدقہ ہر ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے۔

چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں مسطور ہے:

"رجل تصدق عن الميت و دعاله قالوا يجوز ذالك ويصل الى الميت لما جاء في الاخبار

---

(۶۸) دیابنہ وغیرہ نے اس حدیث پاک اور اس جیسی دوسری احادیث سے استدلال کرتے ہوئے مومنوں کے اس قول کو کہ "اللہ اور اس کے رسول نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا" کفر و شرک ٹھہرایا ہے۔ (دیوبندی جماعت کے مشہور مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان ص۷۵: اور مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب سرتاج بہشتی زیور حصہ اول ص۷۳، ملاحظہ ہو!) حالانکہ یہ سراسر خلاف اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ کتب احادیث وغیرہ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کہتے تھے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی بھی ان کے اس طرح کہنے کو کفر، شرک اور ناجائز نہیں بتایا۔ ہاں صرف ان بے دینوں کی بدگمانیوں کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور) کی جگہ لفظ (پھر) لگانے کا حکم دیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کتاب "الامن والعلیٰ" اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تصنیف لطیف "اطیب البیان فی رد تقویۃ الایمان"۔

(۶۹) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب باب الاسامی، ۹/۲۸۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

"لما فيه من التسوية بين الله وبين عباده لان الواو للجمع والاشتراك"۔

ان الحی اذاتصدق عن المیت بعث اللہ تعالیٰ تلك الصدقة الیه علی طبق من النور"(۷۰)

یعنی اگر کسی شخص نے میت کی جانب سے صدقہ دیا اور اُس کے لیے دُعا بھی مانگی تو یہ جائز ہے، اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں وارد ہے کہ زندہ اگر میت کی جانب سے صدقہ کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نور کے طبق اُس کے پاس بھیجتا ہے۔

نیز عالمگیری میں مسطور ہے:

"رجل تصدق عن المیت و دعاله یجوز ویصل الی المیت"(۷۱)

یعنی اگر کوئی شخص میت کی جانب سے صدقہ دے اور اُس کے لیے دُعا مانگے، جائز ہے اور میت کو پہنچتا ہے۔"

نیز شرح عقائد میں مسطور ہے:

"وفی دُعا الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافا للمعتزلة"(۷۲)

یعنی زندوں کا اموات کے لیے دعا مانگنا اور زندوں کا اموات کے لیے صدقہ کرنا نفع ہے اور یہ امر مذہب معتزلہ کے خلاف ہے۔

شرح عقائد کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ زندوں کی دُعا اور صدقہ اموات کے لئے فائدہ مند ہے، خواہ وہ صدقہ دینے والا اور دُعا کرنے والا ایک شخص ہو یا صدقہ ایک کرے اور دُعا دوسرا۔ لہٰذا اقوال فقہا اور اہل عقائد سے ثابت ہوا کہ صدقہ اور دُعا اموات کے لئے دونوں کا جمع ہونا اور ایک کا مقدم اور دوسرے کا مؤخر کرنا جائز ہے، لہٰذا یہاں کے لوگ بھی کبھی صدقہ پہلے اور دُعا بعد میں اور کبھی اس کے برعکس کرتے ہیں۔

---

(۷۰) فتاوی قاضی خاں ملحق بفتاوی عالمگیری، فصل فی الصدقة، ۳/ ۲۸۴۔

(۷۱) فتاوی عالمگیری، ۴/ ۴۰۸۔

(۷۲) شرح عقائد نسفی، مبحث دعاء الاحیاء للاموات، صفحہ ۱۷۱]

سوال۔۱: اگر کوئی شخص کسی موذن اور فقیر کے سامنے طعام صدقہ اس طور پر رکھے کہ موذن وغیرہ صدقہ کے مال کے قبضہ پر کامل طور پر قادر ہوں اور یہ صدقہ کرنے والا اس فعل یعنی سامنے رکھنے کو فرض وواجب نہ جانتا ہو بلکہ کبھی موذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ کو بہ نیت صدقہ رکھتا ہو اور کبھی زبان سے بہ نیت صدقہ کہتا ہے کہ یہ طعام لو اور فقیر اُس کو لیتا ہو، اور کبھی دُعا کبھی صدقے سے پہلے اور کبھی صدقے کے بعد کرتا ہو اور جائز بھی جانتا ہو تو آیا ان تمام عقائد وافعال کے باوجود یہ شخص مشرک وبدعتی ہے یا نہیں ؟اور موذن وغیرہ کے سامنے طعام صدقہ بطور سابق رکھنے سے شرعاً صدقہ صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اور یہ طعام حرام اور کھانے والا حرام خور ہے یا نہیں ؟بسند روایات مفتی بہا جواب دو!اور کتابوں کی عبارتیں نقل کرو۔ اپنی رائے سے اختراع مت کرو۔

سوال۲: یہ ہے کہ موذّن اس طعام صدقہ یا ہبہ شدہ پر ہاتھ اُٹھا کر صدقہ دینے والوں کے لیے دُعا مانگتا ہے، آیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس دُعا میں ہاتھ اُٹھانا چند وجوہ سے جائز اور بہتر ہے:

اوّل۔یہ کہ موذّن وغیرہ کو جو بطور صدقہ طعام پختہ دیتے ہیں، یہ اُن کے ساتھ احسان کرنا ہے جیسا کہ حدیث میں بروایت احمد وابو داؤد اور نسائی وارد ہے:

"ومن صنع الیکم معروفافکافئوہ فان لم تجدو اماتکافئوبہ فادعوالہ حتی تروا انکم قد کافئتموہ" **(۷۳)**

یعنی جو کوئی تمہارے ساتھ احسان شرعی کرے اور تم اُس کے احسان کا بدلا نا پاؤ تو اُس کے لیے یہاں تک دُعا مانگو کہ گمان کرو کہ اُس کے احسان کا بدلا ہوا۔

اس حدیث سے چند اُمور ثابت ہوئے:

---

(۷۳) الف: مسند احمد بن حنبل، ۲/ ۶۸

(ب) سنن ابو داؤد، جلد ۱/ ۲۳۵، باب عطیۃ من سأل باللہ عزوجل

(ج) سنن نسائی، ۱/ ۲۷۶، باب من یسال ولا یعطی۔

اول: یہ کہ احسان کا بدلا اگر مال سے نہ ہو سکے تو اس کا بدلا دُعا سے کرو۔

دوم: یہ کہ اس حد تک دُعا کرو کہ تمہارے گمان میں دُعا سے بدلا پورا ہو جائے۔

نیز حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کرنے والوں کے لیے پہلے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی بعد میں کھانا کھانا شروع کیا۔ چنانچہ ابو داؤد میں قیس بن سعد سے وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے گھر پر ملاقات کے لیے تشریف لائے اور باہر ٹھہر کر تین مرتبہ سلام فرمایا، اور سعد نے آپ کے سلام کا ایسا جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس رجوع فرمایا اور حضرت سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نکل کر یہ عرض کیا:

"إني كنت أسمع تسليمك وأرد عليك ردا خفيا لتكثر علينا من السلام، قال: فانصرف معه رسول الله صلى الله عليه وسلم فأمر له سعد بغسل فاغتسل ثم ناوله ملحفة مصبوغة بزعفران، أو ورس، فاشتمل بها، ثم رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه وهو يقول: اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على آل سعد بن عبادة قال: ثم أصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من الطعام" **(۷۴)**

یعنی سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کا سلام سُنتا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا، اس آرزو کے لئے کہ آپ ہم پر زیادہ سلام فرمادیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے ساتھ واپس رجوع فرمایا۔ بعدہ سعد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا سامان مہیّا کرنے کا حکم کیا، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا بعدہ سعد نے ایک چادر آپ کو جو زعفران یا زرد سے رنگی ہوئی تھی، دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس (چادر) کو بدن مبارک سے لپیٹ لیا، بعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ یا اللہ اس سعد پر مغفرت و رحمت فرما، بعدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا، کھانا شروع فرما دیا۔ اب اس حدیث سے چند اُمور ثابت ہوئے کہ بعد

---

(۷۴) الف: سنن ابو داؤد، باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان، ۲/۷۰۵۔

ب: مسند احمد بن حنبل، ۳/۴۲۱

احسان کے احسان کرنے والوں کے لیے دُعامانگنا-اوراس دُعامیں ہاتھ اُٹھانااور اس دُعاکے بعد کھاناشروع کرنا، نیزیہ بھی ثابت ہوتاہے کہ ضیافت کاطعام کھانے سے قبل یہ دُعامستحب ہے۔ کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایساہی کیاہے۔اگر چہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ دُعاکے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طعام موجود تھایانہیں، اور نہ کسی مجتہد یامحدث کے قول سے ثابت ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے طعام نہیں تھا،اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی،اور اگر طعام سامنے ہوتاتو دُعانہ فرماتے بلکہ طعام تناول فرمانے کے بعد دُعافرماتے۔ بہر صورت یہ دونوں احتمال ہمارے لیے مُضر نہیں،اس لیے کہ اگر طعام حاضر ہواور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دُعافرمائی ہوتو ہمارامطلب ثابت ہوتاہے۔ اور اگر حاضر نہ ہو، تاہم یہ دُعااحسان کرنے والوں کے لئے سرورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طعام تناول فرمانے سے قبل فرمائی ہے، لہٰذا یہاں موٴذن وغیرہ کا بھی یہی معمول ہے،بلکہ صحابہ کرام سے یہ امر بکثرت واقع ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے کام پر اپنے مسلمان بھائی کا شرعی کام مقدم کیا،جیساکہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

”بزرگے راپرسیدم از سیرت اخوان صفا،گفت کمینہ آنکہ مراد خاطر یاران بر مصالح خویش مقدم دارد“**(۷۵)**

یعنی میں نے ایک بزرگ سے پوچھاکہ مخلص دوستوں کی کیاخصلت ہے؟ کہاکہ اُن کی ادنیٰ عادت اور کمتربات یہ ہے کہ دوستوں کے دل کی مراد کواپنی مصلحتوں پر مقدم رکھتے ہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے جو فرمایاہے کہ اپنے بھائی کاکام اپنے کام پر مقدم کرنااہل صفاکا شیوہ ہے، یہ حدیث کے موافق ہے۔ اس لیے کہ اپنے کام پر اپنے بھائی مسلمان کاکام مقدم کرنے کی وجہ سے مسلمان بھائی کادل خوش ہوتاہے،اور مسلمان بھائی کی خوشنودی رضاے خداوندی کاموجب ہے، چنانچہ حافظ عبدالعظیم منذری کتاب ”ترغیب وترہیب“میں

(۷۵) گلستان سعدی:ص ۱۰۱۔

بروایت طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من لقی اخاه المسلم بمایحب لیسره بذلك سره الله عزوجل یوم القیامة رواه الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن "**(۷۶)**

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لیے ایسا کام کیا کہ جس کو وہ دوست رکھتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کو قیامت کے دن خوش کرے گا۔ لہٰذا موذّن وغیرہ اپنا کام جو طعام کا اپنے سامنے سے ہٹانا یا حفاظت کرنا یا کھانا ہے چھوڑ کر دُعا کی نیت سے ہاتھ اُٹھا کر اپنے احسان کرنے والے کے لیے دُعا مانگتے ہیں اور کھانا اُن کے ہاتھوں کے نیچے رہتا ہے اور اس دُعا کے بعد کھانا کھانے میں مشغول ہوتے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور نیز موذّن وغیرہ نے بخاری و مسلم کی اس حدیث کی فضیلت بھی حاصل کی:

"من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته "**(۷۷)**

یعنی جو کوئی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لیے سعی کرتا ہے تو اُس کے اور حاجت روائی کے بیچ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

سوال: اس حدیث بالاے ابو داؤد **(۷۸)** سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ سعد کے لیے یہ دُعا فرمائی: "الھم اجعل صلوٰتك و رحمتك علی آلِ سعد"

---

(۷۶) **الف۔** المعجم الصغیر للطبرانی، جلد ۲/۲۸۸۔ **(ب):** الترغیب والترہیب جلد ۳/۲۶۰۔

(۷۷) **الف۔** صحیح بخاری، ۱/۳۰۳، باب لایظلم المسلم المسلم ولایسلمه۔

(ب)۔ صحیح مسلم، ۲/۳۲۰ باب تحریم الظلم۔

(ج)۔ صحیح ابن حبان، فصل من البر والاحسان، ۳/۵۹۔

(د)۔ سنن ابو داؤد، باب المواخاة، ۲/۶۷۰۔

(ہ)۔ سنن ترمذی، باب ماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم، ۱/۲۶۳۔

(۷۸) حدیثِ ابو داؤد، جو صفحہ ۲۵ پر گزری۔

اور لفظ صلوٰۃ کے ساتھ بلا متابعت نبی صرف غیر کے واسطے دُعا کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے تو یہاں موٴذن وغیرہ ایسی دُعا اپنے احسان کرنے والوں کے لیے کیسے مانگیں گے؟

جواب: اگر فرض کیا جائے کہ لفظ صلوٰۃ کے ساتھ غیر کے لیے بلا متابعت نبی دُعا مانگنا جائز نہ ہو، اور ایسی دُعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہو، تب بھی کوئی حرج نہیں اور یہ حدیث ہمارے مدعا کے لیے مضر نہیں۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ سعد کے لیے صرف صلوۃ کے ساتھ دُعا نہیں فرمائی بلکہ لفظ صلوٰۃ کے ساتھ لفظ رحمت بھی ملایا اور لفظ رحمت کے ساتھ غیر نبی کے لیے دعا مانگنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ ہر مومن ایسی دعا کر سکتا ہے۔ لہٰذا جو لفظ کہ دعا مانگنے کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اس لفظ کو چھوڑنا چاہیے، اور غیر مختص کے ساتھ جو لفظ رحمت ہے دعا مانگنی چاہیے۔ جیسے صوم وصال میں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وصال مختص ہے نہ صوم تو وصال کو چھوڑنا چاہیے۔ اور صوم کو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں ہے اس کے رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

سوال: آپ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت فاتحہ مروجہ اگر موٴذن کے سامنے طعامِ صدقہ رکھا جائے تو یہ جائز ہے اور جانب مخالف اپنی **اتباع السنۃ** صفحہ ۱۱ میں تحریر کرتا ہے کہ یہ ناجائز ہے۔ اور جائز کہنے والا مفسد وبدعتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

" دعاے آنجناب دعاے زیادتی ہے کہ نقصان قلت مقدار جاتا رہے۔ یعنی اصلاح طعام اور تکمیل مقصود ہے پس آنجناب سامنے رکھ کر اس کا ازالہ فساد و نقصان فرماتے ہیں۔ آپ کا فعل دور کرنے والا نقصان اور پیدا کرنے والا زیادتی وخوبی کا ہوا۔ فاتحہ مروجہ میں سامنے رکھ کر دعا کرنا موجب اِزدیاد نقصان ہے اور باعث افساد نیت خوردندگان کیوں کہ سامنے رکھنے سے طعام ٹھنڈا ہو گا اور خراب۔ اور فاتحہ خواں کی نیت کھانے کی طرف متوجہ ہو گی نہ دعاے ایصال کی طرف، مفسد کو مصلح پر قیاس کرنا بدعتی مفسد کا کام ہے۔"

جواب: مولانا صاحب نے مخزن الفیوض یعنی رسالہ "**دعاے برکت**" میں فاتحہ مروجہ کو ہرگز دعاے برکت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں فرمایا۔ بلکہ فاتحہ مروجہ کو مستقل دلائل سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۷،۲۷، حاشیہ **اتباع السنۃ** میں جو "**دعاے برکت**" سے نقل کیا ہے دیکھنا چاہیے۔ لہٰذا یہ اعتراض جناب مولانا صاحب پر ہرگز وارد نہیں ہوا۔ اور موذن وغیرہ اگر تین چار منٹ فاتحہ میں صرف کریں تو اتنی دیر میں طعام نہ نقصان پذیر ہوتا ہے نہ سڑ جاتا ہے، اور اگر اتنی دیر میں طعام ٹھنڈا بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ٹھنڈے طعام میں برکت ہے نہ کہ گرم میں۔ اس لیے کہ امام محمد کی جامع صغیر سے منقول ہے:

"ابردوا بالطعام فان الحار لا برکۃ فیہ"**(۷۹)**

یعنی طعام کو ٹھنڈا کرکے کھاؤ۔ اس لیے کہ گرم طعام میں برکت نہیں ہے۔

اور طحطاوی میں مسطور ہے:

"عن ابی یوسف ولا یاکل الطعام حارا ولا یشمہ"**(۸۰)**

یعنی ابو یوسف سے مروی ہے کہ طعام گرم نہ کھائے اور نہ سونگھے۔

نیز عالمگیری میں مسطور ہے:

"ولا یؤکل طعام حار ولا یشم"**(۸۱)**

---

(۷۹) امام محمد کی جامع صغیر کے جو نسخے ہمیں دستیاب ہوئے ان میں یہ حدیث پاک نظر نہ آئی البتہ درج ذیل کتابوں میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔

(الف) الجامع الصغیر للسیوطی، ۱/۳۵۹۔ **(ب)** الدرر المشتہرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ جلد ۱/۴۔

(ج) فیض القدیر، ۱/۱۰۱، رقم، ۵۰۔ **(د)** کنز العمال، الاکمال من آداب الاکل، ۱۵/۳۶۷۔

(ہ) المعجم الاوسط للطبرانی، ۶/۲۰۹۔ **(و)** المستدرک للحاکم، ۴/۱۳۲۔

(۸۰) طحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۴/۱۷۱۔

(۸۱) فتاوی عالمگیری، باب فی الکراھۃ فی الاکل وما یتصل بہ، جلد، ۵/۳۳۷۔

یعنی گرم طعام نہ کھایا جائے اور نہ سونگھا جائے۔

اور ''شامی'' میں مسطور ہے:

''ولا یاکل الطعام حار او لایشمہ''**(۸۲)**

اور ''بیہقی'' سے مروی ہے:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیٰ عن الطعام الحار حتٰی یبرد''**(۸۳)**

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم طعام کھانے سے منع فرمایا۔ اب بتاؤ! کہ گرم طعام کھانا مفسد کا کام ہے یا مصلح کا؟

سوال: جانب مخالف نے کتاب **اتباع السنہ** کے صفحہ ۱۵ میں تحریر کیا ہے کہ ''**کھانے کی موجودگی میں فاتحہ** (یعنی الحمد اور قل وغیرہما) **پڑھنا درست نہیں ہے۔ مسلم شریف میں موجود ہے ''لا صلوۃ بحضرۃ الطعام'' جب بحضور طعام نماز ممنوع ہے تو الحمد بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوئی۔ نیز صلوۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دعا درست نہیں ہے۔ فاتحہ مروجہ کی ممانعت صریح حدیث میں موجود ہے۔**''

اور نیز جانب مخالف نے کتاب **اتباع السنہ** کے صفحہ ۲۵ میں یہ تحریر کیا ہے:

''**لا صلوۃ الا بحضور القلب'' رسول اکرم سے مروی ہے اور نیز سابق میں معلوم ہوا کہ لفظ صلوۃ، دعا کو شامل ہے اور طعام سامنے ہونے میں خشوع فوت ہوتا ہے۔ کیوں کہ دل ملّانوں کا کھانے میں پڑا ہوتا ہے** (آپ کو ایسا ہوتا ہوگا) **پس دل اس کا غافل ہے** (المرء یقیس علی نفسہ) **اور دعا قلب غافل کی مقبول نہیں ہوتی۔**''

جواب: جانب مخالف کے جمیع اقوال بالا غلط ہیں۔ اس لیے کہ اس کا اول قول یہ ہے کہ جب بحضور طعام نماز ممنوع ہوئی تو الحمد وغیرہ بطریق اولی ممنوع ہوگی۔ اب جانب

---

(۸۲) فتاویٰ شامی، کتاب الحظر والاباحۃ، ج۹ ص۴۹۱۔

(۸۳) شعب الایمان للبیہقی، جلد ۱۲/ ۳۹۴۔

مخالف سے یہ استفسار ہے کہ اگر آپ کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں نماز ممنوع ہو وہاں دعا بدرجہ اولی ممنوع ہوگی، تو صلوۃ بغیر وضو ممنوع ہے، اور صلوۃ کو بغیر وضو جائز کہنے والا کافر ہے، تو بموجب آپ کے قاعدہ کے دعا بھی ایسی ہی ہوگی کہ بغیر وضو ممنوع اور بغیر وضو دعا کو جائز کہنے والا کافر ہوگا، اور یہ بالکل غلط، خلافِ شرع ہے۔ شاید کہ یہ قاعدہ کسی نیچری نے اختراع کیا ہو۔ اور نیز بخاری و مسلم میں وارد ہے:

"لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"**(۸۴)**

چوں کہ بموجب اس حدیث کے نماز بغیر الحمد ممنوع ہوئی تو بنابر قاعدہ جانب مخالف دعا بطریق اولیٰ الحمد شریف کے بغیر ممنوع ہوگی۔ اگر جانب مخالف کہے کہ میرا یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ خاص طعام کے حاضر ہونے کے وقت یہ حکم ہے کہ دعا مانند صلاۃ ممنوع ہے، نہ ہر جگہ، تو اس تقدیر پر جانب مخالف کو لازم ہے کہ بسند کتب معتبرہ ثابت کرے کہ حدیث ہاے گذشتہ کی وجہ سے بوقت حضور طعام جیسے نماز کی ممانعت ہے ویسے ہی دعا کی بھی ممانعت ہے نہ ہر جگہ۔ تاکہ وہ سند ہم بھی دیکھ کر اگر قابل عمل ہو اس پر عمل کریں۔

اور جانب مخالف کا قولِ دوم بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ صلوۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دعا درست نہیں ہے۔ اب ان سے یہ استفسار ہے چوں کہ صلوۃ کا اطلاق دعا پر شائع ہوا۔ آیا اس شائع ہونے کی وجہ سے ہر جگہ صلوۃ سے دعا مراد ہوگی یا نہیں؟ اگر ہر جگہ آپ کے قاعدہ کے بموجب صلوۃ سے دعا مراد ہو تو "اذا قمتم الی الصلوۃ الخ کے بموجب دعا کے لیے وضو فرض ہوگا اور بموجب حدیث "لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" کے الحمد شریف دعا میں واجب ہوگی۔ اگر جانب مخالف یہ کہے کہ میرا مطلب یہ ہے کہ طعام حاضر

---

(۸۴) ترجمہ:۔ جو نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

(الف) صحیح بخاری، جلد ۱/۱۰۴۔ باب وجوب القراءۃ للامام والماموم۔

(ب) صحیح مسلم، ۱/۱۶۹، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ۔

ہونے کے وقت صلاۃ جو حدیث مسلم اور ''لا صلوۃ الا بحضور القلب'' **(۸۵)** میں وارد ہے بمعنی دعا ہے نہ ہر جگہ۔ تو جانب مخالف کو لازم ہے کہ بسند کتب معتبرہ ثابت کرے کہ ان حدیثوں میں صلاۃ سے طعام کے حاضر ہونے کی وقت کی دعا مراد ہے۔ اور جانب مخالف یہ بھی کہے کہ صلاۃ جو آیت میں اور ''لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب'' میں وارد ہے بالاجماع اس سے نماز مراد ہے۔ لہٰذا یہاں صلاۃ سے دعا مراد لینا خلافِ اجماع ہے اور خلاف اجماع گمراہی ہے۔ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ حدیثاے بالا میں یعنی ''لا صلاۃ بحضرۃ الطعام'' **(۸٦)** اور ''لا صلوۃ بحضور القلب'' میں صلاۃ سے دعا مراد لینا خلاف اجماع اور گمراہی ہے۔ اس لیے کہ ان حدیثوں کو کسی محدث نے باب دعا میں ذکر نہیں کیا۔ اگر صلوۃ سے دعا مراد ہوتی تو کوئی محدث ان حدیثوں کو ضرور بابِ دعا میں ذکر کرکے ان سے دعا مراد لیتا۔ اور چوں کہ کسی فقیہ، مجتہد اور محدث نے ایسا نہیں کیا تو صلوۃ سے دعا مراد لینا خلاف اجماع ہوا۔ اور اجماع کا مخالف آپ کے نزدیک بھی گمراہ ہے۔ اب جانب مخالف سے یہ سوال ہے کہ اگر کسی مجتہد یا فقیہ یا محدث یا شارحین حدیث میں سے ان دونوں حدیثوں یعنی ''لا صلوۃ بحضرۃ الطعام'' اور ''لا صلوۃ الا بحضور القلب'' میں صلوۃ سے دعا مراد لیا ہو تو بسند کتب معتبرہ دکھاؤ۔

فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے کی **دوسری وجہ** یہ ہے کہ یہاں موٗذن وغیرہ اموات کے لیے دعا مانگتے ہیں اور ایسی دعا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے ہیں۔ چنانچہ بروایت نسائی قیس بن مخرمہ سے وارد ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: کہ ایک رات جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے یہاں تھی تو وہ دروازہ کھول

---

(۸۵) المعتصر من المختصر من مشکل الآثار، ۱/ ۴۰۔ ترجمہ: حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں۔

(۸٦) ترجمہ: کھانا حاضر ہونے کے وقت نماز نہیں ہے۔

(الف) صحیح مسلم، ۱/ ۲۰۸ باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام۔

(ب) سنن البیہقی الکبریٰ ۳/ ۷۳۔

کر باہر تشریف لے گئے اور میں ان کے پیچھے نکلی، یہاں تک کہ بقیع میں آئے اور دونوں ہاتھ تین مرتبہ اٹھا کر اموات کے لیے دعا فرمائی۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

"حتی جاء البقیع فرفع یدیه ثلث مرات فاطال"

اور اس حدیث کے اخیر میں سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ حضرت جبریل میرے پاس آئے اور مجھ کو حکم کیا کہ میں بقیع میں جاؤں اور اموات کے لیے طلب مغفرت کروں۔ اور وہ یہ ہے:

"فامرنی ان اتی البقیع فاستغفر لهم" **(۸۷)**

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبرہ میں ہاتھ اٹھا کر اموات کے لیے دعا فرمائی۔ اور نیز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان کے سوا اور جگہ بھی ایسی ہی دعا فرمائی ہے۔ چنانچہ بخاری میں وارد ہے:

"عن ابی موسیٰ قال دعا النبی صلی الله علیه وسلم بماء فتوضأ ثم رفع یدیه فقال اللهم اغفر لعبید ابی عامر و رایت بیاض ابطیه" **(۸۸)**

یعنی سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید ابی عامر کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعاے مغفرت کے واسطے وضو کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

لہٰذا یہاں بھی مؤذن دعاے مغفرت اموات میں ہاتھ اٹھاتا ہے اور اگر وضو کر کے دعا کرے جیسا کہ ہوتا بھی ہے تو بہتر ہے۔

تیسری وجہ، مؤذن وغیرہ کے فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب ہونے کی یہ ہے کہ یہاں رحمت اور جنت طلب کرتے ہیں۔ اور ایسی دعا میں ہاتھ اٹھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ چنانچہ بخاری میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

---

(۸۷) سنن نسائی، جلد ۱/ ۲۲۲، الامر باستغفار للمؤمنین۔

(۸۸) الف: صحیح بخاری، جلد ۲/ ۹۴۴، باب الوضؤ عند الدعاء۔

(ب) صحیح مسلم، ۲/ ۳۰۳، باب من فضائل ابی موسیٰ وابی عامر۔

عنہا مروی ہے کہ:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر وقت یعنی مرض الموت میں دعاے مغفرت ورحمت کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: کہ یا اللہ مجھ کو عالم بالا سے ملا۔ اور وہ روایت یہ ہے:

"ثم نصب یدیه فجعل یقول فے الرقیق الاعلے" **(۸۹)**

اور دوسری روایت میں یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے وارد ہے:

انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میری طرف تکیہ لگانے کے وقت (یعنی بوقت مرض الموت) میں نے ان سے سنا کہ فرماتے ہیں: کہ اے بار خدایا مجھ کو بخش اور مجھ کو عالم بالا سے ملا اور وہ روایت یہ ہے:

" قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو مستند الیّ یقول اللھم اغفر لی وارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلے" **(۹۰)** اور تیسری روایت میں وارد ہے:

"کانت تلک آخر کلمة تکلم بھا اللھم الرفیق الاعلے" **(۹۱)**

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ (اللھم الرفیق الاعلی) تھا۔ اور اس کے بعد سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہیں فرمائی۔ اب روایت اول سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اور دوسری روایت سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا مغفرت اور رحمت اور عالم بالا سے ملنے کے لیے تھی۔ اور تیسری روایت سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات کی یہ آخری گفتگو تھی کہ اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو نہیں فرمائی۔ اب معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھانا بوقت دعاے مغفرت ورحمت جو دعاے رغبت میں داخل ہے منسوخ نہیں ہے۔ چوں کہ ان دونوں وجہوں سے

---

(۸۹) صحیح بخاری، جلد ۲/ ۹۶۴، باب سکرات الموت۔

(۹۰) صحیح بخاری، جلد ۲/ ۸۴۷، باب نھی تمنی المریض الموت،

(۹۱) صحیح بخاری، جلد ۲/ ۶۴۱، باب آخر ماتکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ثابت ہوا کہ اموات وغیرہ کے لیے دعاے مغفرت ورحمت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ لہٰذا موٴذن وغیرہ فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں اور بدعتیوں کے زمرہ سے اپنے آپ کو خارج کرتے ہیں۔

وجہ چہارم، فاتحہ مروجہ مین موٴذن کے ہاتھ اٹھانے کے باب میں یہ ہے کہ یہاں موٴذن وغیرہ جو دعا کرتے ہیں وہ دعاے رغبت میں داخل ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی دعا میں جنت اور مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اور خداوند کریم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس فاتحہ اور صدقہ کا ثواب اموات کو پہنچا۔ اور یہ امور سب مرغوب فیہا ہیں اور ان کا حصول اور وجود مرکوز خاطر ہے۔ اور امور مرغوب فیہا کی طلب کا نام دعاے رغبت ہے۔ چنانچہ طحطاوی میں مسطور ہے:

"قوله دعاء رغبة ای بمرغوب فيه كسوال الجنة"**(۹۲)**

اور شامی میں مسطور ہے:

"دعاء رغبة نحو طلب الجنة"**(۹۳)**

چوں کہ یہاں موٴذن وغیرہ کی دعا اور سوال امر مرغوب فیہ کے لئے ہے۔ اور امر مرغوب فیہ کے سوال اور دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب۔ اور ابراہیم خلیل اللہ کی سنت۔

چنانچہ "بخاری" میں بروایت ابن عباس وارد ہے، اس وقت کہ ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسمٰعیل کو چھوڑ کر چلے اور ثنیہ میں پہنچے اور ان دونوں سے غائب ہوئے تو قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور وہ یہ ہے:

"فانطلق ابراهيم حتى اذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت ثم دعا بهولاء الدعوات و رفع يديه فقال ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم،

---

(۹۲) طحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة جلد ۱/۳۴۸۔
(ترجمہ) دعاے رغبت جس میں مرغوب شے مانگی جائے جیسے جنت مانگنا۔

(۹۳) فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، جلد ۲/۲۱۶، ترجمہ، دعاے رغبت جیسے جنت مانگنا۔

حتے بلغ، یشکرون"**(۹۴)**۔ اور آیت یہ ہے:

رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ وَ ارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ"**(۹۵)**

اب اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس چیز کے لیے دعا کی وہ امر مرغوب فیہ ہے اور حصول اور وجود اس کا مرکوز خاطر تھا۔

اور اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بوقت دعاے رغبت ہاتھ اٹھانا اور قبلہ کی طرف متوجہ ہونا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے۔

سوال: بلاشک اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت دعاے رغبت ہاتھ اٹھا کر قبلہ رخ ہونا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ مگر انبیاے سابقہ کی شریعت منسوخ ہے تو اس پر ہمارا عمل کرنا کیوں جائز ہوگا؟

جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاے رغبت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کا ہاتھ اٹھانا ذکر فرما کر اس فعل سے انکار نہیں فرمایا تو یہ ہماری شریعت اور ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہوئی اور اس پر عمل کرنا گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہے۔ چنانچہ نورالانوار میں مسطور ہے:

"اما شرائع من قبلنا فملحقة بالکتاب و السنة"**(۹۶)**

---

(۹۴) **الف**: صحیح بخاری، باب یزفون النسلان فی المشی، ۱/۴۷۵۔ **(ب)** سنن البیہقی الکبری، ۵/۹۸: باب فی بدء السعی بین الصفا و المروۃ، اس کتاب میں "ثنیہ" کی بجاے "البیت" ہے۔

(۹۵) ترجمہ:۔ اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے رحمت والے گھر کے پاس اے میرے رب! اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں۔ [پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت نمبر ۳۷، ترجمہ کنز الایمان]

(۹۶) نورالانوار، صفحہ ۹، مبحث تقسیم اصول الشرع، مکتبہ فاروقیہ دہلی۔

اور حاشیہ پر ہے:

”فھی علی الاول ملحقۃ بالکتاب وعلی الثانی بالسنۃ“**(۹۷)**

اور خلاصہ معنی ان عبارتوں کے یہ ہیں کہ ماقبل کے پیغمبروں کی شریعتوں کے مسائل اگر کتاب اللہ میں آئیں تو کلام اللہ سے شمار کیے جائیں گے، اور اگر سنت رسول اللہ میں آئیں تو سنت سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہیں۔ مقام تحقیق یہ ہے کہ حنفیوں کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا مسلک یہ ہے کہ انبیاے سابق کے شرع کی پیروی ہم پر لازم ہے، بشرطیکہ خدا اور رسول ان شرائع سابقہ کو بلا انکار بیان فرمائیں۔ جیسا کہ یہاں موجود ہے۔ مگر فرق ان دونوں فرقوں میں یہ ہے: کہ ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ انبیاے سابق کی شرع پر عمل بشرط عدم نسخ بایں طور ہم پر لازم ہے کہ انبیاے سابق کی شرائع ان کی شرائع سمجھ کر ان پر عمل کریں۔ چنانچہ ”غایۃ التحقیق“ شرح حسامی میں مسطور ہے:

”فذھب کثیر من اصحابنا و عامۃ اصحاب الشافعی و طائفۃ من المتکلمین الی انہ علیہ السلام کان متعبد الشرائع من قبلنا من الانبیاء و ان کل شریعتہ تثبت لنبی فھی باقیۃ فی حق من بعدہ علی قیام الساعۃ الا ان یقوم الدلیل علی الانتساخ فعلی ھذا یلزمنا شریعتہ من قبلنا علی انھا شریعتہ ذالک النبی علیہ السلام الا ان یثبت نسخھا“**(۹۸)**

(۹۷) نورالانوار، صفحہ ۹، مبحث تقسیم اصول الشرع، مکتبہ فاروقیہ دہلی۔

(۹۸) کتاب التحقیق المعروف بغایۃ التحقیق، لعبد العزیز بن احمد بن محمد بخاری، ص ۲۰۱، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ۔

ترجمہ: اکثر احناف اور عام شوافع اور متکلمین کا ایک گروہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگلے انبیا کی شریعتوں پر عمل کرنے والے تھے اور ہر وہ شریعت جو کسی نبی کے لیے ثابت ہو تو وہ باقی رہتی ہے بعد والوں کے حق میں قیامت تک۔ مگر یہ کہ اس کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔ اور اسی بنیاد پر ہمارے لیے اگلوں کی شریعت لازم ہے اس طور پر کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت ہے، مگر یہ کہ اس کا نسخ ثابت ہو جائے۔

اور فرقہ دوم یہ کہتاہے کہ: شرائع انبیاے سابقہ کی پیروی ہم پر بدیں طور لازم ہے کہ انبیائے سابقہ کی شرائع ہم اپنے نبی کی شرع میں داخل سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔

چنانچہ "غایۃ التحقیق" شرح حسامی میں مسطور ہے:

"و ذھب اکثر مشائخنا رحمھم اللہ منھم الشیخ ابو منصور و القاضی الامام ابوزید والشیخان شمس الائمۃ و فخر الاسلام و عامۃ المتاخرین الی ان ما ثبت بکتاب اللہ تعالی انہ کان من شریعتہ من قبلنا او بیان من الرسول یلزمنا العمل علی انہ شریعۃ نبینا مالم یظھر ناسخہ"(۹۹)

اور اس فرقہ دوم کا مذہب مختار اور صحیح ہے۔ چنانچہ "مسلم الثبوت" میں مسطور ہے۔ اور اس کی عبارت مع شرح مولانا عبد العلی (علیہ الرحمہ) وضاحت کے لیے نقل کرتا ہوں:

"المختار انہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ و اصحابہ وسلم بعد البعث ونحن معشر الامۃ متعبدون بشرع من قبلنا ویجب علینا العمل بہ مالم یظھرنا سخ لکن علی انہ شرع نبینا لا علی انہ شرع نبی اخر وعلیہ جمھور الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ الخ"(۱۰۰)

---

(۹۹) کتاب التحقیق المعروف بغایۃ التحقیق، ص۲۰۱، مطبع منشی نولکشور لکھنؤ۔

ترجمہ: شیخ ابو منصور اور قاضی امام ابوزید اور شیخ شمس الائمہ اور شیخ فخر الاسلام ہمارے اکثر مشائخ اور عام علماے متاخرین اس بات کی جانب گئے ہیں کہ جو کتاب اللہ سے ثابت ہے اور وہ اگلوں کی شریعت سے ہے یا بیان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو ہمارے لیے اس پر اس طور پر عمل لازم ہے کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہے، جب تک کہ اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو۔

(۱۰۰) فواتح الرحموت، فصل فی بیان حکم افعالہ صلی اللہ علیہ و الہ و اصحابہ وسلم، ۱۸۴۔

ترجمہ: پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد ہم امتی شرائع سابقہ پر عمل کرنے والے ہیں اور جب تک کہ اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو ہمیں اس پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس طور پر کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہے نہ کہ اس طور پر کہ وہ دوسرے نبی کی شریعت ہے۔ اور یہی موقف جمہور حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ کا ہے۔ الخ۔

اور نیز "نور الانوار" میں مسطور ہے:

" والمختار هوما ذکره المنصف علیه الرحمة بقوله وشرائع من قبلنا تلزمنا اذا قص الله و رسوله من غیر انکار فانه اذالم یقص الله علینا بل وجدت فی التوراة والانجیل فقط لا تلزمنا لانهم حرفوا التوراة والانجیل کثیرا وادرجوا فیها احکاما بهواء انفسهم فلم یتیقن انها من عند الله تعالیٰ وکذا اذا قص الله علینا ثم انکر علینا بعد نقل القصة صریحا بان لا تفعلوا مثل ذالك او دلالة بان ذالك کان جزاء ظلمهم فحیحرم علینا العمل به و هذا اصل کبیر لابی حنیفة یتفرع علیه اکثر الاحکام الفقهیة"

اور آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ثم هذه الشرائع التی تلزمنا انما تلزمنا علی انه شریعة لرسولنا علیه السلام لا علی انها شرائع للانبیاء السابقة" **(۱۰۱)**

اور نیز "حسامی" میں مسطور ہے:

---

(۱۰۱) نور الانوار، صفحہ ۲۲۰، مبحث افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: اور مذہب مختار وہ ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ نے بیان کیا اپنے قول "اور شرائع سابقہ ہمارے لیے لازم ہیں جب کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر انکار کیے ان کو بیان کریں۔ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بیان نہیں کیا بلکہ صرف توریت اور انجیل میں پایا گیا تو وہ ہمارے لیے لازم نہیں ہے، اس لیے کہ یہود و نصاریٰ نے اس میں بہت تحریف کی ہے۔ اور اس میں اپنی خواہش کے مطابق بہت سے احکام داخل کیے ہیں اس لیے یقین نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یوں ہی جب اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہمارے لیے اور بیان کرنے کے بعد صراحتاً انکار کیا بایں طور کہ تم ایسا نہ کرو! یا دلالۃً انکار کیا اس طرح کہ وہ ان کے ظلم کی جزا ہے۔ تو اس وقت ہمارے لیے اس پر عمل حرام ہے۔ اور یہ امام ابو حنیفہ کا ایک بڑا قانون ہے جس پر بہت سے فقہی احکام متفرع ہوتے ہیں۔ (آگے چل کر) پھر یہ احکام جو ہمارے لیے لازم ہیں وہ صرف اسی لیے لازم ہیں کہ وہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہے نہ کہ اگلے نبیوں کی شریعتوں کے طور پر۔

"ومما یتصل بسنة نبینا شرائع من قبله والقول الصحیح فیه ان ماقص الله تعالی او رسول منها من غیر انکار یلزمنا علی انه شریعة لرسولنا"**(۱۰۲)**

اس مذہب کی بنیاد پر اصول شرع چار ہیں نہ زیادہ۔ اس لیے کہ سابق شرائع کا بیان اگر کتاب اللہ میں آئے تو کتاب اللہ میں داخل ہے۔ اور اگر سنت رسول اللہ میں آئے تو سنت رسول اللہ سے سمجھا جائے گا۔ تو اس بنا پر ہاتھ اٹھانا حضرت خلیل اللہ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں داخل ہوا۔ اور نیز بروایت احمد وترمذی وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی ہے:

"فاستقبل القبلة و رفع یدیه وقال اللهم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تهنا و اعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علینا وارضنا وارض عنا"**(۱۰۳)**

شیخ عبد الحق صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

ترجمہ: پس روئے آورد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ را و برداشت ہر دو دست خود را و گفت آنحضرت خداوندا زیادہ گردان مرا نعمت ہائے دنیا و آخرت و کم مگردان و گرامی دار مارا و اہانت مکن مارا و بدہ مارا خیر دنیا و آخرت و محروم مگردان و برگزیں مارا بر اعدائے دین و برگزیں برما ایشاں را و راضی گردان مارا از خود و راضی شو از ما۔ کذا فی مظاہر الحق ۱۲۔**(۱۰۴)**

---

(۱۰۲) حسامی، بحث السنة، ۹۲۔

ترجمہ: اور اگلی شریعتیں جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے لاحق ہوں قول صحیح اس میں یہ ہے کہ ان میں سے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر انکار کے بیان کیا تو اس پر عمل ہمارے لیے بایں طور لازم ہے کہ وہ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہے۔

(۱۰۳) الف: مسند احمد بن حنبل، جلد ۱/ ۳۴۔

ب: سنن ترمذی، ابواب التفسیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/ ۱۵۰۔

(۱۰۴) اشعة اللمعات جلد ۲/ ۲۹۷، باب جامع الدعاء، مطبع مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا میں جتنے امور طلب کیے وہ سب مرغوب فیہا ہیں۔ اور طحطاوی وغیرہ سے ثابت ہوا کہ طلب امور مرغوب فیہا دعاے رغبت ہے۔ لہٰذا یہ دعا دعاے رغبت ہوئی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر یہ دعا کی ہے، جیسے ابراہیم خلیل اللہ نے قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعاے رغبت مانگی تھی۔ اور نیز دعاے رغبت کے وقت ہاتھ اٹھانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی سے ملاقات کرنا اور علی کا سفر سے بصحت و سلامتی واپس آنا جو مرغوب فیہ اور مرکوز خاطر تھا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ:

"اے بار خدایا! میری زندگانی یہاں تک قائم رکھ کہ تو مجھ کو علی دکھادے۔"

چنانچہ بروایت "ترمذی" ام عطیہ سے وارد ہے:

"قالت بعث النبی صلے اللہ علیہ وسلم جیشافیھم علی قالت فسمعت قسمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وھو رافع یدیہ یقول اللھم لاتمتنی حتّٰی ترینی علیا" **(۱۰۵)**

اور "لمعات" میں اس حدیث کے تحت مسطور ہے:

"وفیہ الدعاء لمن غاب حبیبہ بالرجوع سالما" **(۱۰۶)**

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: ترجمہ:۔(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کو رخ فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کیا: یااللہ! ہمارے لئے دنیا اور آخرت کی نعمتوں کو زیادہ فرما، کم مت فرما! اور ہمیں عزت دے رسوا مت فرما! اور ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی دے، محروم مت فرما! اور ہم کو اعداے دین پر غلبہ عطا فرما! اور انہیں ہم پر غالب نہ فرما، ہم کو راضی فرما اور ہم سے راضی ہو جا!)
مظاہر حق کتاب الدعوات باب جامع الدعا۔ ۲/۳۳۰۔

(۱۰۵) سنن ترمذی ابواب المناقب ۲/۲۱۴۔

(۱۰۶) ترجمہ: اس میں اپنے بچھڑے ہوئے دوست کے بخیر و عافیت واپس آنے کی دعا ہے۔
لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح: ج۹ ص ۶۶۲۔ باب مناقب علی بن ابی طالب۔

اس حدیث اور لمعات کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اپنے حبیب کا ملنا اور اس کا صحت و سلامتی سے واپس آنا جو امر مرغوب فیہ ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اور نیز ''تکملہ بحر الرائق'' میں مسطور ہے: کہ دعاے رغبت میں دعا مانگنے والا دونوں ہتھیلیوں کا سیدھا رخ آسمان کی طرف کرے وہ عبارت یہ ہے:

''ففی دعاء الرغبة یجعل بطون کفیه الی السماء''**(١٠٧)**

اور ''عالمگیری'' میں بھی یہی مسطور ہے:

''فی دعاء الرغبة یجعل بطون کفیه نحو السماء''**(١٠٨)**

اور ''در مختار'' مین مسطور ہے:

''دعاء رغبة یفعل کما مر''**(١٠٩)**

اور ''شامی'' نے کمامر کی تفسیر یہ کی

''ان یبسط یدیه نحو السماء''**(١١٠)**

یعنی دعاے رغبت میں دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا دے۔

سوال: یہاں موذن وغیرہ یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ ''یا اللہ! دوزخ اور اس کے عذاب سے نجات دے'' اور فقہا ایسی دعا کو دعاے رہبت کہتے ہیں۔ لہٰذا موذن وغیرہ کی دعا، دعاے رہبت میں داخل ہونی چاہیے نہ کہ دعاے رغبت میں؟

جواب: بالفرض اگر موذن وغیرہ کی دعا دعاے رہبت میں داخل ہو تاہم ہمارے مقصود کے لیے مضر نہیں ہے۔ اس لیے کہ دعاے رہبت میں ہاتھ اٹھانا سب کتب فقہ سے ثابت ہے۔ مگر بعض فقہا کا قول یہ ہے کہ دعاے رہبت میں ہاتھ اٹھانے کے وقت

---

(١٠٧) تکملہ بحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع، ٩/٣٧٩۔

(١٠٨) عالمگیری، ٥/٣١٨، باب فی الصلاة والتسبیح وقراءة القرآن والذکر والدعاء۔

(١٠٩) در مختار، باب صفة الصلاة، ٢/٢١٦۔

(١١٠) فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، ٢/٢١٦۔

ہتھیلیوں کا الٹا رخ منہ کی طرف کرے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق صاحب نے "ترجمہ مشکوۃ" میں " فاسئلوہ ببطون اکفکم " کے تحت لکھا ہے:

"وبعضے گفتہ اند کہ چوں دعا برائے طلب چیزے باشد از جہت جنس نعماء مستحب است کہ بطون کف بجانب آسمان کند واگر برائے دفع فتنہ کند پشتہائے دست بجانب آسمان کند"**(111)**

شیخ عبد الحق صاحب کے قول سے یہ ثابت ہوا کہ ہتھیلیوں کے الٹے رخ سے دعا مانگنا بعضوں کا مذہب ہے۔ اور نیز شامی کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ بحر الرائق میں دعائے رہبت کی نسبت یہ لکھا گیا ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کا الٹا رخ منہ کی طرف کرے۔ اور یہ معنی شافعیوں کے اس قول کے ہیں جو انہوں نے ذکر کیا کہ دعا کرنے والا اگر وجود شے طلب کرے تو سیدھا رخ دونوں ہاتھوں کا آسمان کی طرف کرے۔ اور اگر کسی چیز کا دفع کرنا ہو تو ہتھیلیوں کا الٹا رخ آسمان کی طرف کرے۔ اور 'شامی' کی عبارت یہ ہے:

"وھذامعنے ما ذکرہ الشافعیة من انه یسن لکل داع رفع بطن یدیه للسماء ان دعا بتحصیل شیء وظھرھما ان دعا برفعه"**(112)**

شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ دعائے رہبت میں ہتھیلیوں کے الٹے رخ سے دعا مانگنا شافعیوں کا مذہب ہے۔ اور شیخ عبد الحق صاحب کے قول سے معلوم ہوا کہ یہ بعض کا مذہب ہے۔ اور طحطاوی میں مسطور ہے کہ یہ قول مفتی بہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صاحب در مختار نے ہتھیلیوں کے الٹے رخ سے دعا مانگنا ذکر نہیں کیا، کہ گویا اس پر مفتی بہ

---

(111) اشعۃ اللمعات، کتاب الدعوات جلد، ۲/۳۷۱۔

ترجمہ: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب نعمتوں میں سے کسی نعمت کو طلب کرنے کے لیے دعا مانگے تو ہاتھ کی ہتھیلیوں کو آسمان کی جانب کرنا مستحب ہے۔ اور اگر فتنہ کو دور کرنے کی دعا مانگے تو ہاتھ کی پشت کو آسمان کی جانب کرے۔

(112) فتاوی شامی، باب صفۃ الصلاۃ، ۲/۲۱۶۔

مذہب والے قائل نہیں۔ اور ''طحطاوی'' کی عبارت یہ ہے:

''ولم یذکر الدعاء یظھر الکفین وکان اھل المذھب لم یقولوا بہ''**(۱۱۳)**

اور اس مذہب مفتی بہ کے مؤید یہ حدیث ہے:

''فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا''**(۱۱۴)**

چوں کہ یہ ثابت ہوا کہ مؤذن کی دعاخواہ دعاے رغبت ہو یا رہبت ہاتھ اٹھانا اور اس میں ہتھیلیوں کا سیدھا رخ آسمان کی طرف کرنا مستحب ہے۔ باقی رہیں دو دعائیں دعاے تضرع اور دعاے خفیہ۔ یہ دعا دعاے تضرع میں داخل نہیں ہے۔ اس لیے کہ مقصد دعاے تضرع سے صرف اظہار و عجز و تذلل ہوتا ہے نہ سوال طلب۔ چنانچہ ''شامی'' میں مسطور ہے:

''قولہ و دعاء تضرع ای اظھار الخضوع والذلة للہ تعالی من غیر طلب جنة ولا خوف من نار، نحو: الھی انا عبدك البائس الفقیر المسکین الحقیر''**(۱۱۵)**

چوں کہ شامی کی عبارت سے ثابت ہوا کہ دعاے تضرع نہ طلب جنت نہ خوف نار سے ہوتی ہے، بلکہ اظہار عجز و ذلت کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہاں مؤذن وغیرہ جنت اور فوائد جنت مانگتے ہیں۔ لہٰذا ان کی دعا دعاے تضرع میں داخل نہیں ہوئی۔

سوال: جانب مخالف نے اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۲۹ میں یہاں کے مؤذن وغیرہ کی دعا دعاے خفیہ میں داخل کی اور دعاے خفیہ میں ہاتھ اٹھانا نہیں آیا؟

جواب: جانب مخالف بالکل غلط کہتا ہے۔ اور وہ دینیات کا اتباع نہیں کرتا ہے، بلکہ اپنے نفس کے اتباع میں مشغول ہے۔ اور اس کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مؤذن وغیرہ یہ دعا مانگتے ہیں: کہ یا اللہ! مجھ پر اور اموات پر رحم فرما۔ اور اس فاتحہ اور صدقہ کا

---

(۱۱۳) طحطاوی علی الدر المختار، باب صفة الصلاة جلد، ۱/۳۴۸۔

(۱۱۴) سنن ابو داؤد، باب الدعاء، جلد ۱/۲۰۹، المستدرک للحاکم ۵/۱۹۔

(۱۱۵) فتاوی شامی، باب صفة الصلاة، ۲/۲۱۶۔

ثواب اموات کو پہنچا۔ اور بعض مرادیں جو ان کے دل میں ہیں اس کی جگہ ذکر خدا زبان پر جاری کرتے ہیں۔ در حقیقت ہر ایک دعا کو زبان پر لاکر ظاہر کرتے ہیں۔ تو یہ دعا دعاے خفیہ نہیں ہوئی، اس لئے کہ دعائے خفیہ میں یہ شرط ہے کہ داعی جو کچھ مانگے دل میں مانگے اور زبان تک نوبت نہ پہنچے چنانچہ "طحطاوی" نے خفیہ کے معنی یہ لکھے ہیں:

"ای یجریه علی قلبه من الدعاء والخضوع والتذلل القلبی"**(۱۱۶)**

چوں کہ یہ ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ ہند دعاے تضرع اور خفیہ میں داخل نہیں ہے تو دعاے رغبت ورہبت میں داخل ہے۔ پس ان دونوں میں ہاتھ اٹھانا حدیث نبوی اور کتب فقہا سے ثابت ہے۔ اور سوا ان چار دعاؤں کے اور دعا ہی نہیں۔ چنانچہ "تکملہ بحر الرائق"میں مسطور ہے:

"قال السغناقی الدعاء اربعة دعاء رغبة، ودعاء رهبة، ودعاء تضرع، و دعاء خفية"**(۱۱۷)**

اور "عالمگیری"میں مسطور ہے:

"عن محمد بن الحنفية الدعاء اربعة، دعاء رغبة، ودعاء رهبة، ودعاء تضرع، ودعاء خفية"**(۱۱۸)**

اور نیز "در مختار"میں مسطور ہے:

"وفی وتر البحر: الدعاء اربعة دعاء رغبة الخ"**(۱۱۹)**

اب ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ ہند میں جو موذن وغیرہ ہاتھ اٹھاتا ہے یہ فعل مستحب

---

(۱۱۶) طحطاوی علی الدر المختار، باب صفۃ الصلاۃ جلد ۱/ ۳۴۸۔

(۱۱۷) تکملۂ بحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع، ۹/ ۳۷۹۔

(۱۱۸) فتاوی عالمگیری، ۵/ ۳۱۸، باب فی الصلاۃ والتسبیح وقراءۃ القرآن والذکر والدعاء۔

(۱۱۹) در مختار، باب صفۃ الصلاۃ، ۲/ ۲۱۶، ۲۱۵۔ ان عباراتِ کتب ثلاثہ کا ترجمہ ایک ہی ہے وہ یہ کہ: دعائیں چار ہیں: دعاے رغبت، دعاے رہبت، دعاے تضرع، دعاے خفیہ۔

مستحب اور حدیث نبوی اور اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بدعتی اور مستحب کا ناجائز کہنے والا کون ہے۔

فاتحہ مروجہ ہند میں موذن وغیرہ کے ہاتھ اٹھانے کے استحباب کی **پانچویں وجہ** یہ ہے کہ یہ فاتحہ دعا ہے۔ اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب اور حدیث نبوی سے ثابت اور اقوال فقہا میں موجود ہے۔ چنانچہ بروایت ''ترمذی وابو داؤد'' وارد ہے:

''ان ربکم حی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا''**(۱۲۰)**

ترجمہ: تحقیق پروردگار تمہارا بہت حیامند ہے۔ اپنے بندوں سے حیا کرتا ہے کہ ان کو خالی پھیرے جس وقت بندہ اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف اٹھاتا ہے۔ مظاہر حق۔**(۱۲۱)**

اب دیکھو کہ مولوی قطب الدین خان صاحب ''اذا'' کے ترجمہ میں لفظ جس وقت لائے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

اول یہ کہ ''اذا'' وقتیہ ہے۔ **دوم** یہ کہ وقت سے عام وقت مراد ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے ''اذا'' کے ترجمہ میں صرف وقت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ وقت پر لفظ ''جس'' کہ تعمیم کا کلمہ ہے، بڑھایا۔ جیسے کوئی کہے (جس نے مارا اس پر قصاص آئے گا جس وقت زید آئے مجھ کو خبر کر۔ جس وقت خالد جائے اس کے ساتھ جا) اور اگر ''اذا'' صرف وقت کے لیے ہوتا اور تعمیم اوقات اس سے مراد نہ ہوتی تو مولوی قطب الدین خان صاحب ''اذا'' کے ترجمہ میں فقط لفظ ''وقت'' لکھتے اور لفظ ''جس'' اس پر زیادہ نہ کرتے۔

چنانچہ ''تلویح'' میں مسطور ہے:

''لکنھاقد تستعمل لمجرد الظرفیۃ من غیر اعتبار شرط و تعلیق کقولہ تعالیٰ

---

(۱۲۰) **الف:** صحیح ترمذی، ابواب الدعوات، ۲/۱۹۶۔

ب: سنن ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد ۱/۲۰۹۔

(۱۲۱) مظاہر حق، ترجمہ مشکوۃ مولوی قطب الدین خان صاحب، کتاب الدعوات، جلد ۲/۲۶۳۔

والليل اذا يغشٰى اى وقت غشيانه"**(۱۲۲)**

اب مولوی قطب الدین خان صاحب کے ترجمہ اور ان اردو نظیروں سے ثابت ہوا کہ "اذا" جس کے معنی جس وقت ہیں۔ مثل "متی" عموم اوقات کے لیے ہے۔ اب اس سے بھی قطع نظر کر کے خوب کان کھول کر سنو! کہ ایسا "اذا" جیسا کہ حدیث گذشتہ میں وارد ہے باتفاق نحوین واصولین "اذا" وقتیہ مثل متی ہے، اس لیے کہ "اذا" میں نحویوں کے دو مذہب ہیں۔ کوفیوں کے نزدیک وقت اور شرط دونوں کے لیے۔ بایں طور صلاحیت رکھتا ہے کہ اگر "اذا" کے سبب سے جزا کی ضرورت ہو تو "اذا" وقت سے خالی فقط بمعنی شرط رہتا ہے۔ اور اگر "اذا" وقتیہ ہو تو متی کے ہم معنی ہوتا ہے، اور یہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ چنانچہ "منار" میں مسطور ہے:

"و'اذا'عند نحاة الكوفة تصلح المؤقت والشرط على السواء فيجازى بها مرةولايجازى بها اخرىٰ واذاجوزى بها سقط عنها الوقت كانها حرف الشرط وهوقول ابى حنيفة"**(۱۲۳)**

اور بصریوں کا مذہب یہ ہے کہ "اذا" در حقیقت وقت کے لیے ہے، اور ہمیشہ وقتیہ بمعنی متی ہوتا ہے۔ اور اگر کبھی بطور مجاز شرط کے لیے مستعمل ہوتا ہے تاہم اس سے وقت ساقط نہیں ہوتا اور یہ قول صاحبین کا ہے۔ جیسا کہ "منار" میں مسطور ہے:

"وعند نحاة البصرة هى المؤقت حقيقة فقط وقد تستعمل للشرط من غير سقوط

---

(۱۲۲) التلویح،۷ ۳۲، قولہ واذا، عند الکوفیین۔

ترجمہ: لیکن اذا شرط اور تعلیق کا اعتبار کیے بغیر کبھی صرف ظرف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "والليل اذا يغشىٰ" رات کی قسم جب چھائے یعنی اس کے چھاجانے کے وقت۔

(۱۲۳) نورالانوار، مبحث حروف الشرط، ۱۴۳۔

ترجمہ: کوفی نحویوں کے نزدیک "اذا" وقت اور شرط دونوں کی برابر صلاحیت رکھتا ہے تو کبھی اس کی جزالائی جائے گی اور کبھی نہیں۔ اور جب جزالائی جائے گی اس سے وقت ساقط ہو جائے گا گویا وہ حرف شرط ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔

الوقت عنهاعلى سبيل المجاز مثل ''متى'' فانها للوقت لا يسقط عنها ذالك بحال هو قولهما'' **(۱۲۴)**

خلاصہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ''اذا'' کبھی وقتیہ اور متی کا ہم معنی ہوتا ہے، اور کبھی شرطیہ اور وقت اس سے ساقط ہوتا ہے۔اور صاحبین کے نزدیک ہمیشہ ''اذا'' مثل متی وقتیہ ہے، خواہ شرط اس سے بطور مجاز مفہوم ہو یا نہ ہو۔ اب اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام صاحب کے قواعد کے بموجب ''اذا'' جو حدیث گذشتہ میں وارد ہے وقتیہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ اس لئے کہ یہاں ''اذا'' سے ترجمہ حدیث کے بموجب جو کہ مولوی قطب الدین خان صاحب کی کتاب سے نقل ہوا وقت مراد ہے۔ اور جب ''اذا'' سے وقت مراد ہو تو امام صاحب کے نزدیک شرط باطل، اور صرف وقت اس سے مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ ''نور الانوار'' میں مسطور ہے:

''اذا'' جوزی بها سقط عنها الوقت كانها حرف الشرط وهو قول ابی حنيفة عليه الرحمة لانه لما كانت مشتركة بين الشرط و الظرف ولا عموم للمشترك فتعين عند ارادة احد المعنيين بطلان الاخر ضرورة'' **(۱۲۵)**

---

(۱۲۴) مرجع سابق:

ترجمہ: اور بصری نحویوں کے نزدیک ''اذا'' حقیقۃً وقتیہ ہے۔ البتہ کبھی شرط کے لیے بغیر وقت کو ساقط کیے بر سبیل مجاز استعمال ہوتا ہے متی کی طرح۔ پس متی وقت کے لیے ہے۔ وقت اس سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا یہ صاحبین کا قول ہے۔

(۱۲۵) مرجع سابق:

ترجمہ: اذا'' کی جب جزا لائی جائے گی تو اس سے وقت ساقط ہو جائے گا گویا وہ حرف شرط ہے۔ اور یہی ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا قول ہے۔ اس لیے کہ وہ جب شرط اور ظرف کے درمیان مشترک ہے اور مشترک کے لیے کوئی عموم نہیں ہے۔ تو لامحالہ دو معنوں میں سے کسی ایک معنی کے مراد کے وقت دوسرے کا بطلان متعین ہو گیا۔

چوں کہ ”اذا“ سے وقت مراد ہوا تو بموجب قواعد اصولیہ بالاتفاق امام اور صاحبین کے مابین یہ ”اذا“ جو حدیث بالا میں وارد ہے وقتیہ بمعنی متی ہوا۔ اس لیے کہ صاحبین کے نزدیک ہمیشہ ”اذا“ وقتیہ مانند متی ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک اگر اس سے وقت مراد ہو جیسے اس حدیث بالا میں بیان ہو چکا تو وقتیہ بمعنی متی ہے۔

چوں کہ حدیث بالا میں جو ”اذا“ وارد ہے بالاتفاق وقتیہ بمعنی متی ہوا تو منطقیوں کے نزدیک بھی موجبہ کلیہ کا سور ہے۔ چنانچہ شرح تہذیب میں مسطور ہے کہ سور موجبہ کلیہ کا متی ہے۔ اور جو اس کے معنی میں ہو **(۱۲۶)** اور اصولین کے نزدیک بھی ایسا ”اذا“ بمعنی متی یعنی عموم اوقات کے لیے ہے۔

چنانچہ نور الانوار میں مسطور ہے:

”اذا ومتی، یدلان علی عموم الزمان وکلیته“ **(۱۲۷)** اور منطقیوں نے ”اذا“ شرطیہ کہ جملہ شرطیہ پر داخل ہو بموجب مذہب کوفین اس کو وقت سے خالی سمجھ کر اہمال کی علامت قرار دیا ہے.... اور یہاں حدیث بالا میں ”اذا“ بالاتفاق وقتیہ بمعنی متی ہے۔ تو اس ”اذا“ کو منطقیوں کے ”اذا“ پر قیاس کرنا کسی ذی علم کا کام نہیں۔ البتہ (آتیہ) کو (آیت) پڑھنے والوں کا کام ہے۔

چوں کہ ”اذا“ بالاتفاق وقتیہ مثل متی ہوا تو نتیجہ حدیث ”اذا“ رفع یدیہ الیہ “ کا یہ ہوا کہ بندہ دعا میں خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ موجب اجابت و قبولیت ہے۔ لہٰذا دعا میں کسی وقت ہاتھ اٹھانا شرک و بدعت نہ ہوا، بلکہ ہر وقت دعا میں ہاتھ اٹھانا موجب سعادت دارین، اور خوشنودی خدا، اور سبب انجاح مرام بندہ ہے، اگر خدا نے چاہا۔ اور نیز حدیث دیگر بروایت ”ابو داؤد“ مالک بن یسار سے وارد ہے:

---

(۱۲۶) شرح تہذیب، ص۳۳، عربی عبارت درج ذیل ہے۔

”فکلیة وسورها فی المتصلة الموجبة کلما ومهما ومتیٰ ومافی معناها۔“

(۱۲۷) نور الانوار، مبحث حروف الشرط، ۱۴۶۔

"اذا" سألتم الله فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها" **(۱۲۸)**

ترجمہ: جس وقت تم اللہ سے مانگو پس مانگو! اس سے اپنے ہاتھوں کی پیٹ کی جانب سے۔ اور نہ مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کی پیٹھ کی طرف سے۔ (از مظاہر الحق) **(۱۲۹)**

اب اس حدیث کے ترجمہ سے بھی جو مولوی قطب الدین خاں صاحب نے کیا ہے معلوم ہوا کہ "اذا" عموم اوقات کے لیے ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے یہاں بھی وقت پر لفظ جس بڑھایا، اور صرف وقت پر اکتفا نہیں کیا۔ اور مولوی قطب الدین خان صاحب نے مولانا اسحاق صاحب سے نقل کرکے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ:

دعا کرنے میں ہاتھ اس طرح رکھو کہ ہاتھوں کے اندر کا رخ منہ کے سامنے رہے۔ جیسا کہ معمول ہے دعا مانگنے میں۔ الٹے ہاتھ کر کے دعا نہ مانگو اور حالت استسقا اس سے مستثنیٰ ہے، اس میں الٹے ہاتھ سے دعا مانگنی آئی ہے۔

اور شیخ عبد الحق صاحب کے ترجمہ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

اب مولانا کی عبارت سے ثابت ہوا کہ سوائے دعاے استسقا اور دعاؤں میں ہاتھوں کے سیدھے رخ سے دعا مانگے، اس لیے کہ انہوں نے اس سے فقط دعاے استسقا مستثنیٰ کی، نہ اور۔ نیز شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ آداب دعا میں تحریر کرتے ہیں:

"پس مسح وجہہ بدو دست در صورتے بود کہ دستہا را بر می داشت (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) چوں بر نمی داشت مسح نمی کرد و لیکن بر داشتن دستہا از آداب

---

(۱۲۸) **الف:** سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ ا/ ۲۰۹، ب: المستدرک للحاکم ۵/ ۱۹،

ج: المعجم الکبیر للطبرانی، د: السنن الکبریٰ للبیہقی، ۱۰/ ۳۱۹،

حاکم اور طبرانی نے مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں درج ذیل الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

"وامسحوابها وجوهكم" اور بیہقی نے "فاذا فرغتم وامسحوابها وجوهكم"

(اور جب تم [دعا] سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے چہرہ پر ہاتھوں سے مسح کرو) کا اضافہ کیا ہے۔

(۱۲۹) مظاہر حق، کتاب الدعوات، ۲/ ۲۶۳،

از آداب دعاست۔"**(۱۳۰)**

دیکھو کہ شیخ صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی ہاتھ اٹھانے کو مطلق دعا کے آداب سے شمار کیا۔ اور کسی دعا کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ اور نیز کسی نے مولوی اسحاق صاحب سے استفسار کیا کہ تعزیہ اور ماتم پرسی میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ: **حدیث شریف سے مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ پس اس وقت میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن تخصیص اس وقت کی حدیث سے منقول نہیں ہے کہ اس وقت کے واسطے ضرور ہاتھ اٹھانے چاہئیں**۔ از ترجمہ اردو اربعین مسمّیٰ بہ رفاہ المسلمین۔**(۱۳۱)**

اب سن لو! کہ ہمارا مسلک بھی یہی ہے کہ دعاے مروجہ میں ہاتھ اٹھانا مستحب اور آداب دعا سے ہے۔ نہ فرض اور نہ واجب۔ بلکہ سنت موکدہ بھی نہیں ہے۔ کہ اس کے ترک کرنے سے عذاب یا عتاب لازم ہو۔ اور یہ بحث عنقریب بخوبی شرح آئے گی۔ البتہ اگر اس فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کو مستحب اور جائز سمجھ کر ترک کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر اس ہاتھ اٹھانے کے جواز سے منکر ہو تو بلا شک وہ سخت بدعتی ہے، اس لیے کہ امر جائز اور مستحب کے جواز سے منکر ہوا۔

سوال: احتمال ہے کہ یہاں "اذا" شرطیہ ہو۔ اس لیے کہ اس کے بعد "فا" وارد ہے، تو اس تقدیر پر "اذا" امام ابو حنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شرطیہ ہو انہ ظرفیہ، جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے۔ اور شرطیہ میں عموم اوقات نہیں ہے۔ تو آپ کا مطلب جو عموم اوقات تھا ثابت نہیں ہوا۔

---

(۱۳۰) اشعۃ اللمعات، کتاب الدعوات، جلد ۲/۱۷۵،

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھوں کو چہرے پر اس صورت میں پھیرتے تھے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوتے، اور اگر ہاتھ نہ اٹھاتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں فرماتے ہیں۔ البتہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔

(۱۳۱) "ترجمہ اردو اربعین مسمّیٰ بہ رفاہ المسلمین" دستیاب نہیں ہوئی۔

جواب: نورالانوار میں مسطور ہے کہ: امام اور صاحبین کا اختلاف وہاں ہے جہاں ''اذا'' کی مراد معلوم نہ ہو۔ اور یہاں بذریعہ ترجمہ مولوی قطب الدین خان صاحب ''اذا'' کی مراد معلوم ہوئی۔ اور جب ''اذا'' کی مراد معلوم ہو تو سب کا اس مراد پر اتفاق ہے نہ کہ اختلاف۔ اور ''نور الانوار'' کی عبارت یہ ہے:

''وھذا کلہ اذ لم ینو شیأ اما اذا نوی الوقت او الشرط فھو علی ما نوی'' **(۱۳۲)**

اور نیز فقہا بغیر اوقات عذر جمیع اوقات دعا میں ہاتھ اٹھانا اور ہتھیلیوں کا پھیلانا مستحب لکھتے ہیں۔ اور عذر کی وجہ سے اگر ہاتھ اٹھانا چھوٹے تو انگشت شہادت کا اٹھانا اس کے قائم مقام لکھتے ہیں۔

چنانچہ عالمگیری میں موجود ہے کہ:

''والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیه ویکون بینهما فرجة وان قلت ولا یضع احدی یدیه علی الاخری فان کان فی وقت عذر او برد شدید فاشا ربا لمسبحة قام مقام بسط کفیه'' **(۱۳۳)**

یعنی دعا میں بہتر یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو پھیلائے، اور ان کے درمیان فرجہ چھوڑے اگرچہ قلیل ہو۔ اور ایک ہاتھ کو دوسرے پر نہ رکھے اور عذر کے وقت اگر انگشت شہادت اٹھائے تو یہ ہتھیلیوں کے پھیلانے کے قائم مقام ہے۔

وھٰکذا فی الدر المختار **(۱۳۴)**

عالمگیری کی عبارت سے ثابت ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اس درجہ تک نیک ہے کہ

---

(۱۳۲) نورالانوار، مبحث حروف الشرط، صفحہ ۱۴۴۔

ترجمہ: اور یہ تمام بحث اس وقت ہے جب کہ کچھ نیت نہ کرے لیکن جب وقت یا شرط کی نیت کرلی تو وہی مراد ہوگا جس کی نیت کی ہے۔

(۱۳۳) فتاوی عالمگیری، ۵/ ۳۱۸، باب فی الصلاۃ والتسبیح وقراءۃ القرآن والذکر والدعاء۔

(۱۳۴) اور ایسا ہی در مختار، جلد ۲/ ۲۱۵۔ میں ہے:

عذر کی وجہ سے اس کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ البتہ عذر کے وقت کو بھی خالی نہیں چھوڑا بلکہ اس صورت میں انگشت شہادت کا اٹھانا ہاتھ اٹھانے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ اور جو امر ایسا ہو کہ عذر کے وقت اگر وہ نہ ہوسکے تو شرعا اس کا قائم مقام بھی مقرر ہو وہ کیسے شرک و بدعت ہوگا۔

اور نیز "عالمگیری" میں مسطور ہے کہ:

"والمستحب ان یرفع یدیه عند الدعاء بحذاء صدرہ" کذا فی القنیة"**(۱۳۵)**

یعنی مستحب یہ ہے کہ بوقت دعا دونوں ہاتھ سینہ کے برابر اٹھائے۔

نیز "نووی" میں مسطور ہے کہ:

"قال القاضی عیاض واختلفوا فی کراھة رفع البصر الی السماء فی الدعاء فی غیرالصلوة فکرھه شُرَیح و اٰخرون وجوزہ الاکثرون وقالوالان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلوة ولاینکر رفع الابصار الیھا کما لایکرہ رفع الید"**(۱۳۶)**

یعنی سوائے نماز کے دعا کے وقت آسمان کی طرف دیکھنا شریح وغیرہ نے مکروہ سمجھا ہے اور اکثر علما کے نزدیک جائز ہے۔ کیوں کہ ان علما کے نزدیک آسمان دعا کا ایسا قبلہ ہے جیسے کعبہ شریف نماز کا۔ تو دعا کے وقت آسمان کی طرف نظر کرنا برا نہیں ہے۔ جیسے ہاتھ اٹھانا مکروہ نہیں ہے۔

"درمختار" میں مسطور ہے:

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

"فیبسط یدیه حذاء صدرہ..... ویکون بینھما فرجة والاشارة بمسبحة لعذر کبردیکفی"

ترجمہ:۔ دونوں ہاتھوں کو سینے کے سامنے پھیلائے اوران دونوں ہاتھوں کے درمیان فاصلہ رکھے۔ اور عذر جیسے (سخت) سردی کے وقت، انگشت شہادت سے اشارہ ہی کافی ہے۔

(۱۳۵) فتاوی عالمگیری، ۵/۳۱۸، باب فی الصلاۃ والتسبیح وقراءۃ القرآن والذکر والدعاء۔

(۱۳۶) شرح النووی علی مسلم، باب النھی عن رفع البصر الی السماء جلد ۱/۱۸۱۔

کہ آسمان، دعا کا قبلہ ہے۔**(۱۳۷)** لہٰذا اس کی طرف ہاتھ اٹھائے۔

اور ''طحطاوی'' اور ''شامی'' میں مسطور ہے:

''کالقبلۃ للصلاۃ'' **(۱۳۸)**

یعنی آسمان دعا کا ایسا قبلہ ہے جیسے کعبہ شریف نماز کا۔ چوں کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور آسمان کی طرف پھیلانا ایسے ہوا جیسے نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا، پھر کوئی مسلمان آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانے کو بدعت کہہ سکے گا؟ اور نیز فقہا کی کتابوں سے ثابت ہے کہ تکبیر افتتاح، قنوت، عیدین، بوسہ حجر اسود، صفا و مروہ، عرفات اور جمرات میں ہاتھ اٹھانا سنت مؤکدہ ہے۔ اور ان کے علاوہ استسقا اور باقی دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

چنانچہ ''در مختار'' میں مسطور ہے:

''ولا یسن مؤکدا رفع یدیہ الا فی سبع مواطن'' **(۱۳۹)**

اور ''شامی'' میں اس قول کے تحت مسطور ہے:

''(قولہ ولا یسن مؤکدا) قید بہ لئلا یرد الرفع فی الدعاء والاستسقاء لما سیأتی أنہ مستحب'' **(۱۴۰)**

---

(۱۳۷) عربی عبارت درج ذیل ہے:

''فبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء لانھا قبلۃ الدعاء''

در مختار، جلد ۲/ ۲۱۵، باب صفۃ الصلاۃ۔

(۱۳۸) **الف:** طحطاوی علی الدر المختار، باب صفۃ الصلاۃ، جلد ۱/ ۳۴۸۔

ب: فتاوی شامی، باب صفۃ الصلاۃ، جلد ۲/ ۲۱۵۔

(۱۳۹) ترجمہ: سات (۷) مقامات پر ہاتھ اٹھانا سنت موکدہ ہے۔

الدر المختار: باب صفۃ الصلاۃ، ۱/ ۲۸۴۔

(۱۴۰) **ترجمہ:** یعنی یہ قید اس لیے مصنف نے لگائی تا کہ دعا اور استسقاء میں ہاتھ اٹھانے کا رد نہ ہو کیوں کہ وہ مستحب ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

اور ”طحطاوی“ میں مسطور ہے:

”قولہ ولا یسن موکد اقید بہ لانہ استحب فی غیر ما ذکر کالدعاء کما یأتی“**(۱۴۱)**

اور نیز ”صاحب ہدایہ“ نے یہ حدیث نقل کی ”لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن“ **(۱۴۲)** یعنی نہ اٹھائے جائیں ہاتھ مگر سات جگہ۔ اور ان سات جگہ کا بیان گذر گیا۔ (تکبیر افتتاح وغیرہ) اور ”فتح القدیر“ میں مسطور ہے کہ:

”ویستحیل ان یکون لا ترفع الا فیہا صحیحا وقد تواترت الاخبار بالرفع فی غیرہا کثیرا فمنہا الاستسقاء ودعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“**(۱۴۳)**

یعنی محال ہے کہ یہ حدیث صحیح ہو، اس لیے کہ رفع یدین حدیثوں میں سوائے ان سات جگہ کے متواتر وارد ہے۔ اور بعض ان میں سے استسقا اور دعاے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ نیز ”فتح القدیر“ میں بروایت حکم وارد ہے کہ:

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

فتاوی شامی، باب صفۃ الصلاۃ، ۱/ ۲۸۴، مکتبہ ماجدیہ پاکستان۔

(یہ عبارت فتاوی شامی مطبوعہ دیوبند میں نہیں ہے۔ اس کتاب کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ دیوبند کی مطبوعہ بہت سی کتابوں میں کتر بیونت، حذف اور اپنے مطلب کی عبارات کا اضافہ کافی حد تک زور پکڑ چکا ہے۔ اہل علم حضرات توجہ دیں! ورنہ آگے چل کر یہ علمی خیانت بہت ہی مضر ثابت ہو گی۔ اور پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہو گا۔

(۱۴۱) طحطاوی علی الدر المختار، باب صفۃ الصلاۃ، جلد ۱/ ۳۴۷۔

ترجمہ: یعنی سنت مؤکدہ کی قید مصنف نے اس لیے لگائی ہے کیوں کہ ان مقامات کے علاوہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے جیسے دعا۔ جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

(۱۴۲) **الف:** ہدایہ، باب صلاۃ الوتر، جلد ۱/ ۴۷، **ب:** معجم الکبیر للطبرانی، ۱۱/ ۳۸۵۔ **ج:** مجمع الزوائد، ۳/ ۳۰۱، کنز العمال، ۲/ ۱۰۷۔

(۱۴۳) فتح القدیر مع الکلفایۃ، ۱/ ۲۶۹، مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان۔

"روی عن الحکم قال فی جمیع الروایات ترفع الایدی ولیس فی شیء منھا لا ترفع الا فیھا"**(۱۴۴)**

یعنی کسی روایت میں لاترفع نہیں ہے بلکہ جمیع روایات میں ترفع الایدی ہے۔

نیز کنز الدقائق **(۱۴۵)** میں مسطور ہے:

"ولایرفع یدیہ الا فی فقعس صمعج"**(۱۴۶)**

اور صاحبِ کنز الدقائق کی ان حروف سے وہ مواضع مراد ہیں جو کہ پہلے گذر چکے (یعنی تکبیر افتتاح وغیرہ) اور صاحبِ بحر الرائق اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"ای ولایرفع یدیہ علی وجہ السنۃ المؤکدۃ الا فی ھٰذہ المواضع ولیس مرادہ النفی

---

(۱۴۴) مرجع سابق۔

(۱۴۵) کنز الدقائق، فصل کیفیۃ اداء الصلوۃ، جلد ۱/۲۶۔

(۱۴۶) علامہ ابن نجیم حنفی علیہ الرحمۃ ان آٹھ حروف ہجائیہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وافاد بھٰذہ الحروف سنیۃ رفع الیدین فی ثمانیۃ مواضع: ثلاثۃ فی الصلاۃ فالفاء لتکبیرۃ الافتتاح، والقاف للقنوت، والعین للعیدین، وخمسۃ فی الحج فالسین عند استلام الحجر، والصاد عند الصعود علی الصفا، والمیم للمروۃ، والعین لعرفات، والجیم للجمرات"

[البحر الرائق، باب صفۃ الصلاۃ، ۱/۵۶۴]

ترجمہ: مصنف علیہ الرحمۃ نے ان حروف کے ذریعہ آٹھ مقامات پر دونوں ہاتھوں کے اٹھانے کے سنت ہونے کا فائدہ پہنچایا: تین نماز میں، فا سے مراد تکبیر افتتاح کے لئے ہاتھ اٹھانا ہے، اور قاف سے قنوت کے لیے، عین سے عیدین کے لئے، اور پانچ جگہیں حج میں، سین سے مراد حجر کے اسود کے لئے، اور صاد سے صفا اور میم سے مروہ پر چڑھتے وقت، عین سے عرفات اور جیم سے جمرات کے لیے ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔

مطلقا لان رفع الایدی وقت الدعاء مستحب کما علیه المسلمون فی سائر البلاد"**(۱۴۷)**

یعنی مصنف کی مراد یہ ہے کہ ہاتھ بطور سنت مؤکدہ نہ اٹھائے جائیں مگر اِن جگہوں میں۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان جگہوں کے علاوہ اور جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ اس لیے کہ ہاتھ اٹھانا دعا کے وقت مستحب ہے۔ اور اس استحباب پر جمیع بلاد کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اب ان عبارات فقہا سے ثابت ہوا کہ کُل دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

سوال: آپ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اور جانب مخالف اپنی **اتباع السنۃ** کے صفحہ ۲۷ میں لکھتا ہے کہ:

"ہم مؤلف سے دریافت کرتے ہیں کہ ان احادیث میں حکم عموماً کلی ہے یا کلی نہیں، اگر کلی نہیں تو استدلال باطل ہے۔ حکم جزئی یا اہمالی سے استدلال درست نہیں ہے۔ اور کلی ہے تو صلوۃ جنازہ یعنی دعا للمیت و دعا بعد تشہد قبل سلام و دعاے قنوت فی الوتر وغیرہ میں کیوں ہاتھ اٹھانے ناجائز ہیں۔"

جواب: حدیث شریف میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا حکم کلی ہے۔ اور اس حدیث سے ہر جگہ ہاتھ اٹھانے کا استحباب دعا میں ثابت ہے۔ اور اس حکم کا کلی ہونا کتب اصول اور فقہ سے مشرح، وجہ **پنجم** میں ثابت ہوا۔ اعادہ کی حاجت تو نہیں تھی مگر بموجب "التکرار یفقہ الحمار" **(۱۴۸)** اس مضمون کو پھر اعادہ کر کے فقہا کی کتابوں سے ثابت کرتا ہوں کہ ہاتھ اٹھانا ہر جگہ دعا میں مستحب ہے۔

چنانچہ "عالمگیری" کے باب استسقا میں مسطور ہے کہ:

اگر امام دعا کے وقت میں ہاتھ اٹھائے یا انگشت شہادت سے اشارہ کرے تو یہ دونوں بہتر ہیں۔ اور لوگ بھی ہاتھ اٹھائیں، اس لیے کہ سنت ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے۔

اور عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

---

(۱۴۷) البحر الرائق، باب صفة الصلاة، ۱/ ۵۶۴۔

(۱۴۸) دوبارہ بیان کرنا گدھے کو سمجھانے کے لئے ہے۔

"ثم عند الدعاء ان رفع یدیه نحو السماء فحسن وان ترك ذالك واشار باصبعه السبابة فحسن و کذا الناس یرفعون ایدیهم ایضا لان السنة فی الدعاء بسط الیدین کذافی المضمرات"(۱۴۹)

اب جانب مخالف یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا عموماً ثابت نہیں ہے۔ اس لیے کہ صاحب مضمرات "لان السنۃفی الدعاء بسط الیدین" کو دعاے استسقا میں ہاتھ اٹھانے کی دلیل میں لائے ہیں۔ تو یہاں یہ حکم ضرور جانب مخالف کے نزدیک بھی کلی ہوگا۔ اس لیے کہ حکم جزئی اور اہمالی دلیل میں جانب مخالف کے نزدیک بھی نہ درست اور نہ مفید مدعا ہے۔ اب اس استدلال مضمرات سے ثابت ہوا کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت اور مستحب ہے۔ اور نیز طحطاوی میں مسطور ہے:

"لانہ ثبت رفع الیدین فی الادعیۃ کلھا"(۱۵۰)

سوال: اگر چہ طحطاوی وغیرہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر جانب مخالف نے اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۱۹ سے صفحہ ۳۰ تک یہ دو اعتراض مکرر بیان کیے ہیں کہ:

"اگر جمیع مجالس میں ذکر اللہ ثابت کرنا ہے تو چاہیے کہ مجلس پیشاب و پاخانہ وغیرہ میں ذکر اللہ اور درود کو مستحب بتائے۔ دوم یہ کہ اگر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے تو صلوۃ جنازہ اور دعا بعد تشہد اور دعاے قنوت فی الوتر وغیرہا میں کیوں ہاتھ اٹھانا، ناجائز ہے؟"

جواب: ان دونوں جگہوں میں حکم کلی بایں طور مراد ہے کہ ہر مجلس کہ جس میں درود اور ذکر اللہ اور ہر دعا کہ جس میں ہاتھ اٹھانا شرعاً ممنوع نہیں ہے تو اُس مجلس میں درود اور ذکر اللہ اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ جیسے "ان اللہ علی کل شیء قدیر" باوجودیکہ کلیہ ہے، یعنی اس کا مفاد کلیہ ہے۔ اور یہ کلیہ بہ نسبت ان چیزوں کے ہے کہ جن

---

(۱۴۹) فتاوی عالمگیری، باب الاستسقاء جلد ۱ / ۱۵۴۔ **(۱۵۰)** طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ / ۲۷۵ باب الاستسقاء۔ یعنی دونوں ہاتھوں کا اٹھانا تمام دعاؤں میں ثابت ہے۔

کے ساتھ تعلق قدرت شرعاً جائز ہو، نہ ممتنعات۔ جیسے شریک باری اور نہ ذات باری تعالیٰ۔ اگر شک ہو تو یہ مسئلہ مناظرہ رشیدیہ کی ابتدا میں دیکھو!

اور علی ہذا القیاس تنویر الابصار میں مسطور ہے:

"ھی فرض عین علی کل مکلف" **(۱۵۱)**

باوجودیکہ یہ کلیہ ہے مگر یہ کلیہ بہ نسبت ان افراد کے نہیں کہ شرع نے جن کو اس کلیہ سے نکالا ہو۔ جیسے حیض اور نفاس والی عورتیں حیض اور نفاس کے وقت میں نماز کے علاوہ اور احکام شرع پر مکلف ہیں اور کل مکلف میں داخل ہیں مگر شرع اور شارع نے ان کو مستثنیٰ کیا۔ تو یہ کلیہ ان کے سبب سے نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ اس کلیہ کی کلیۃ بہ نسبت ان افراد کے ہے کہ شارع نے مستثنیٰ نہ کیے ہوں۔ ایسے ہی ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ اور کلیہ اس کلیۃ کی بھی بہ نسبت ان افراد کے ہے جو شرع اور شارع نے مستثنیٰ نہ کیے ہوں ۔ جناب مولوی صاحب قامع بدعت کو کیا خبر تھی کہ **دعاے برکت** پر ایسے ناحرف شناس اور بے علم لوگ بھی اعتراض کریں گے کہ جن کو آتیہ اور آیت کا فرق نظر نہ آتا ہو، اور کلیہ اور جزئیہ کی تمیز ان کی عقل کے احاطہ سے باہر ہو۔

اگر جانب مخالف یہ کہے کہ تنویر الابصار کی عبارت میں کل مکلف سے کامل مکلف مراد ہے۔ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر جگہ ہاتھ اٹھانے سے دعا میں کامل ہاتھ اٹھانا مراد ہے نہ ناقص کہ جس کو شارع نے منع فرمایا ہو۔ چوں کہ یہ ثابت ہوا کہ کل ادعیہ سے وہ دعائیں مراد ہیں کہ جن میں شرع اور شارع نے ہاتھ اٹھانے کو منع نہ فرمایا ہو۔ تو بنا بریں تقدیر فاتحہ مروجہ بھی اس کلیہ میں داخل ہوئی اور فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب چند وجوہ سے ثابت ہوا:

وجہ اول: یہ ہے کہ یہ دعا احسان کے بعد احسان کرنے والوں کے لیے ہے۔ اور حدیث

(۱۵۱) تنویر الابصار بحوالہ فتاوی شامی کتاب الصلاۃ جلد ۲ / ۴۔

ترجمہ:۔ وہ (یعنی پانچ وقت کی نمازیں) ہر مکلف پر فرضِ عین ہیں۔

ابو داؤد سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے۔

وجہ دوم: یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ میں اموات کے لیے دعا ہے اور حدیث بخاری سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے۔

وجہ سوم: یہ ہے کہ اس فاتحہ مروجہ میں دعا اور طلب مغفرت ورحمت ہے اور بخاری کی حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر ایسی دعا فرمائی ہے۔

وجہ چہارم: یہ ہے کہ چوں کہ مؤذن وغیرہ فاتحہ مروجہ میں خداے پاک سے جنت اور فوائد جنت اپنے اور اموات کے لیے مانگتے ہیں۔ اور ''طحطاوی اور شامی'' سے ثابت ہو چکا کہ ایسی دعا دعاے رغبت ہے، اور حدیث ترمذی اور اقوال فقہا سے ثابت ہوا کہ دعاے رغبت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

وجہ پنجم: یہ ہے کہ فاتحہ مروجہ دعا ہے۔ اور ترمذی اور ابو داؤد اور ترجمہ مولوی قطب الدین خان صاحب اور کتب فقہا اور اصول سے ثابت ہوا کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو ان وجوہ سابقہ کو دیکھے۔

سوال: یہاں یہ طریقہ جاری ہے کہ بوقت فاتحہ اور دعاے مروجہ مؤذن وغیرہ روٹی پر ہاتھ اٹھا کر قرآن پڑھتے ہیں آیا یہ شرعاً جائز اور قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: چوں کہ مؤذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ بہ نیت صدقہ رکھنا فقہا کی کتابوں سے ثابت ہوا، اور اس فاتحہ مروجہ میں ہاتھ اٹھانا حدیث اور اصول فقہ اور کتب فقہ سے ثابت ہوا، اور ہاتھ اوپر اور روٹی کے نیچے ہونے کا جو از وجہ اول سے ثابت ہوا۔ باقی رہی یہ بات کہ فاتحہ مروجہ میں بہ نیت دعا ہاتھ اٹھانے کے بعد قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ جواب اس کا یہ کہ بوقت دعا قرآن شریف کی ایسی آیتوں کا پڑھنا جن میں خداے پاک کی توحید اور تقدیس اور حمد وثنا ہو یہ بھی دعا ہے۔ اور ان کا دعا میں پڑھنا جائز ہے۔ اور انبیاے قدیم کی سنت اور کلام اللہ میں وارد ہے۔ چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام

نے دعا کے وقت کلمات توحید و تقدیس یعنی

"لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین"**(۱۵۲)**

پڑھا۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کلمات توحید اور تنزیہ پر اطلاق دعا فرما کر یہ فرمایا:

"فاستجبنالہ ونجینہ من الغم"

ترجمہ: پھر ہم نے قبول کی دعا اس کی اور چھٹایا ہم نے اس کو قید کے غم سے۔ از موضح القران تفسیر شاہ عبد القادر صاحب**(۱۵۳)** اور نیز سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالنون یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا مچھلی کے پیٹ میں یہ تھی:

"لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین"

چنانچہ بروایت "احمد وترمذی" وارد ہے:

"عن سعد قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دعوۃ ذی النون اذ دعا ربہ و ھو فی بطن الحوت لاالہ الاانت سبحنك انی کنت من الظلمین فانہ لم یدع بھا رجل مسلم فی شیء قط الا استجاب اللہ لہ"**(۱۵۴)**

ترجمہ: سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب مچھلی یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی دعا جو انہوں اس وقت اپنے رب سے مانگی جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے کہ "نہیں ہے کوئی معبود مگر تو پاک ہے۔ تحقیق میں ظالموں**(۱۵۵)** میں سے تھا، نہیں دُعا مانگتا اُس کے ساتھ کوئی مسلمان شخص کسی چیز کے بیچ

(۱۵۲) پارہ ۱۷، سورہ انبیاء آیت: ۸۷۔ **ترجمہ:** کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاکی ہے تجھ کو بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔ [ترجمہ کنز الایمان]

(۱۵۳) تفسیر موضح القرآن: پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، صفحہ ۹، مطبع خادم الاسلام دہلی۔

(۱۵۴) **الف:** مسند احمد، ۳/۶۶، **ب:** صحیح ترمذی، جلد ۲/۱۸۸، ابواب الدعوات۔

(۱۵۵) ظالمین کا ترجمہ مولوی قطب الدین صاحب نے ظالم کیا ہے۔ ایمان افروز اور درست ترجمہ وہ ہے جو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا ہے: "مجھ سے بے جا ہوا"

کے پیچ مگر اللہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

(از مظاہر الحق، مولوی قطب الدین خان صاحب)**(۱۵۶)**

مولوی قطب الدین صاحب کے ترجمہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کلمات قدسیہ کی نسبت فرمایا کہ یہ دعا ہیں۔ اب غور کا مقام ہے کہ اس آیت بالا میں توحید اور تنزیہ ہے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کلمات کی نسبت فرمایا کہ ہم نے یہ دعا قبول کی۔ اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کے یہ کلمات دعا ہیں۔ اور مفسرین اور شارحین حدیث نے ان کلمات پر دعا کا اطلاق کیا ہے۔ اور آئندہ کتب حدیث اور محدثین اور فقہا سے بھی ثابت ہوگا کہ کلمات توحید اور تقدیس اور تنزیہ دعا ہیں۔ اور علاوہ بریں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ہر مومن ان کلمات کے ساتھ دعا مانگے، اور بوقت دعا ان کو پڑھے۔ لہٰذا موذن وغیرہ بھی اگر ایسی آیتوں کے ساتھ کہ جن میں توحید اور تقدیس اور حمد و تنزیہ ہو دعا مانگیں اور دعا کے وقت میں پڑھیں تو جائز ہے نہ کہ بدعت۔

سوال: یہاں موذن وغیرہ اس آیت بالا کے ساتھ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر مومن کی مطلب بر آری کے لیے مفید فرمایا ہے دعا نہیں مانگتے، بلکہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ اور دعا کے وقت میں پڑھتے ہیں۔ ہاں اگر حنفیوں یا محدثین کی کسی معتبر اور مستند کتاب سے یہ ثابت کرو کہ حمد اور توحید اور تنزیہ دعا ہے تو ہم یقین کریں گے کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف میں بھی حمد اور تنزیہ ہے تو یہ دونوں بھی دعا میں داخل ہیں؟

جواب: فاتحہ مروجہ میں الحمد اور قل ہو اللہ شریف چند وجہ سے جائز ہے۔ اول یہ کہ الحمد اور قل ہو اللہ، حمد، توحید اور تنزیہ ہے۔ اور ہر حمد اور تنزیہ ثنا ہے۔ چنانچہ "فتح القدیر" کہ بڑی مشہور اور علمائے حنفیہ کی مستند کتاب ہے، اس میں مسطور ہے:

---

(۱۵۶) مظاہر حق، کتاب اسماء اللہ عزوجل، ۲/۲۹۴۔

کہ کسی نے ابن عیینہ سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کلمات یعنی

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ، لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر"

کو کہ حدیث احمد اور ترمذی میں وارد ہیں، اور جن میں توحید، حمد اور تنزیہ ہے کیوں فرمایا کہ دعا ہیں؟ حالانکہ دعا اور سوال میں طلب ہوتی ہے، اور ان کلمات میں بالکل کسی مطلب کی طلب نہیں ہے۔ تو ابن عیینہ نے ان سب کلمات توحید اور تنزیہ کو ثنا میں داخل کرکے سائل کو یہ جواب دیا کہ:

"الثناء علی الکریم دعاء"

یعنی خداوند کریم کی ہر ثنا دعا ہے۔**(۱۵۷)**

اب ابن عیینہ کے اس قول سے دو امر معلوم ہوئے۔ اول یہ کہ کلمات توحید، حمد اور تنزیہ جو حدیث بالا میں مذکور ہیں وہ خداے کریم کی ثنا ہے۔ اور ہر ثنا خداے کریم کی، دعا ہے۔ اور ایسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف میں بھی توحید اور حمد و تنزیہ ہے۔ تو بموجب ضابطہ ابن عیینہ، ثنا ہو کر دعا میں داخل ہوئے۔ لہٰذا موذن وغیرہ بہ نیت دعا ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کے ساتھ دعا مانگتے ہیں۔ اور دعا میں ان دونوں کو پڑھتے ہیں۔ اب ثابت ہوا کہ بوقت نیت دعا الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا اور ان کے ساتھ دعا مانگنا نہ شرک نہ بدعت ہے۔ بلکہ ایسی آیتوں کے ساتھ دعا مانگنا اور دعا کے وقت میں پڑھنا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انبیاے قدیم کی سنت اور کلام ربانی اور کتب حدیث و فقہ میں موجود ہے۔ اور "فتح القدیر" کی کل عبارت جس میں "احمد اور ترمذی" کی حدیث اور ابن عیینہ کے قول کا ذکر ہے نقل کرتا ہوں:

"أنه علیه الصلاۃ والسلام قال: خیر الدعاء دعاء یوم عرفة، وخیر ما قلت أنا والنبیون من قبلی لا إله إلا الله وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد وھو علی کل

(۱۵۷) فتح القدیر ۲/ ۳۷۴، کتاب الحج۔

شیء قدیر **(۱۵۸)** وقیل لابن عیینة: هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلی الله علیه وسلم دعاء فقال: الثناء علی الکریم دعاء لأنه یعرف حاجته. **(۱۵۹)**

اب ابن عیینہ کا حال سنئے وہ یہ ہے کہ ابن عیینہ طبقہ وسطی یعنی تبع تابعین کے درمیانی طبقہ کے کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ اور امام مالک اور ثوری سے ان کا مرتبہ کم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا رتبہ زیادہ ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طبقہ صغری یعنی تبع تابعین کے چھوٹے طبقہ میں داخل ہیں۔ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین کے کسی طبقہ میں داخل نہیں۔

چنانچہ "تقریب التہذیب" میں مسطور ہے:

"السابعة: کبار اتباع التابعین کمالك والثوری: الثامنة: الطبقة الوسطی منهم کابن عیینه وابن عُلَیه۔ التاسعة: الطبقة الصغری من اتباع التابعین کیزید بن هارون، والشافعی، العاشرة: کبار الآخذین عن تبع الاتباع ممن لم یلق التابعین کأحمد بن حنبل" **(۱۶۰)**

---

(۱۵۸) **الف:** مسند احمد بن حنبل ۲/۵۴۸۔ **ب:** صحیح ترمذی، جلد ۱/۶۶، ابواب الدعوات۔

(۱۵۹) فتح القدیر، ۲/۳۴۷، کتاب الحج۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہتر دعا یوم عرفہ کی دعا ہے۔ اور وہ دعا بہتر ہے جو میں نے اور مجھ سے قبل انبیاے کرام نے پڑھی۔ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے اور اسی کے لیے حمد ہے۔ اور وہ ہر ممکن چیز پر قادر ہے۔ اور ابن عیینہ سے پوچھا گیا کہ یہ ثنا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دعا کیوں فرمایا؟ فرمایا: کریم کی ثنا دعا ہی ہے۔ کیوں کہ کریم اس کی حاجت کو پہچانتا ہے۔

(۱۶۰) تقریب التہذیب، ص۵۷۔

ترجمہ: ساتواں طبقہ اکابر اتباع تابعین کا ہے جیسے مالک اور ثوری۔ آٹھواں طبقہ درمیانی

ابن عیینہ کا نام سفیان ہے اور تقریب التہذیب میں ان کے حالات یوں لکھے گئے ہیں:

"ثقۃحافظ فقیہ امام،حجۃ الاانہ تغیرحفظہ باخرۃ وکان ربمادلس لکن عن الثقات من رؤوس الطبقۃ الثامنۃ"**(۱۶۱)**

یعنی ابن عیینہ ثقہ اور حافظ اور فقیہ اورامام اور حجۃ اور تبع تابعین کے آٹھویں طبقہ کے رؤسا سے ہیں، لیکن ثقات سے تدلیس کرتے ہیں۔ یعنی اپنی اسناد میں کبھی ثقہ شیخ کا نام نہیں لیتے۔

شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث میں تحریر فرمایا ہے کہ جمہور علما اس پر متفق ہیں کہ تدلیس اس شخص کی کہ جس کا حال معلوم ہو کہ وہ تدلیس نہیں کرتا ہے، مگر ثقہ سے، تو یہ تدلیس جمہور علما کے نزدیک مقبول ہے۔ جیسا کہ ابن عیینہ کی تدلیس۔ اور شیخ کی عبارت یہ ہے:

"و ذھب الجمھور الیٰ قبول تدلیس من عرف انہ لا یدلس الاعن ثقۃکابن عیینۃ"**(۱۶۲)**

اب ابن عیینہ کا حال معلوم ہوا کہ درمیانی طبقہ تبع تابعین میں کبار اور روساے علما میں سے ہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین کے چھوٹے طبقہ میں ہیں۔ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ دسویں طبقہ میں سے ہیں۔ اور انہوں نے اخذ حدیث تبع تابعین سے کیا۔ اور تابعین سے اخذ حدیث نہیں کیا۔ اور ابن عیینہ تبع تابعین میں سے ہیں، اور تابعین

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

ہے جس میں ابن عیینہ اورابن علیہ ہیں۔ اور نواں طبقہ اصاغر اتباع تابعین کا ہے۔ جیسے یزید بن ہارون، اور شافعی۔ دسواں طبقہ اتباع تابعین سے علم حاصل کرنے والوں کا ہے جو تابعی نہیں ہے جیسے امام احمد بن حنبل۔

(۱۶۱) تقریب التہذیب، ص ۲۴۵۔ **(۱۶۲)** مقدمہ مشکاۃ للشیخ عبد الحق علیہ الرحمہ، ص ۴۔

ترجمہ: یعنی جس راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ثقہ سے تدلیس کرتا ہے جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اس شخص کی تدلیس قابل قبول ہے۔ جیسے ابن عیینہ۔

سے ملاقات کی ہے۔ لہٰذا ابن عیینہ کا رتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بدرجہا بڑھ گیا۔ اب تبع تابعین یعنی ابن عیینہ کے قول سے ثابت ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف دعا ہیں۔ اور دعا کے وقتوں میں پڑھنا ان دونوں کا تبع تابعین سے بر خلاف نہ ہوا۔ اب اگر کسی عالم کا قول ابن عیینہ کے قول سے جو تبع تابعین میں سے ہیں، بر خلاف ہو تو اس عالم کا قول ہم اس وقت مانیں گے کہ علما، فقہا نے بروایات مفتی بہا مجتہدین اس عالم کے قول کو ابن عیینہ کے قول پر ترجیح دی ہو، والا فلا۔

سوال: احتمال ہے کہ ابن عیینہ نے اپنے قول بالا "الثناء علی الکریم دعاء" میں خاص وہ کلمات مراد رکھے ہوں جو کہ حدیث احمد و ترمذی میں مذکور ہیں۔ تو بنا بریں تقدیر "الثناء" سے جو ابن عیینہ کے قول میں وارد ہے ہر فرد ثنا مراد نہیں بلکہ شاید ان کی یہ مراد ہو کہ یہ کلمات توحید و تنزیہ کہ حدیث احمد و ترمذی میں وارد ہیں ثنا اور دعا ہیں، نہ ہر توحید و تنزیہ؟

جواب: اگر ابن عیینہ کی یہ مراد ہو کہ خاص یہ کلمات توحید اور تقدیس کہ حدیث احمد و ترمذی میں وارد ہیں ثنا اور دعا ہیں اور باقی کلمات توحید و تنزیہ ثنا نہیں۔ تو بنا بریں تقدیر ابن عیینہ کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام کی دعا

"لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین"

میں جو کلمات توحید اور حمد اور تقدیس ہیں دعا نہیں ہوں گے۔ اور یہ کلام ربانی اور حدیث نبوی کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں سے ثابت ہوا کہ یہ کلمات دعا ہیں۔ اور نیز مرقات میں مسطور ہے: کہ تہلیل اور تحمید کو اس سبب سے دعا کہا جاتا ہے کہ یہ رحمت و مہربانی خدا کا سبب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کی دعا "لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہٗ الخ" کو افضل دعا فرمایا۔

اور "مرقات" کی عبارت یہ ہے:

"سمی التهلیل والتحمید دعاء لانه بمنزلة استجلاب لطف الله تعالیٰ ولذا قیل اذا أثنی کفاه من تعرضه الثناء و من ذالك قوله علیه السلام افضل الدعاء یوم

عرفۃ لا الہ وحدہ الخ"**(۱۶۳)**

اب مرقات کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ہر توحید اور تحمید اور تنزیہ دعا ہے نہ کہ احمد اور ترمذی کی حدیث میں جو وارد ہے وہی دعا ہے باقی نہیں۔ اور نیز نسائی میں بروایت سعد بن ابی وقاص وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص موذن سے "اشہد ان لا الہ الا اللہ" سنے اور وہ کہے:

"وانا اشہد ان لا الا اللہ وحدہٗ لا شریك له وان محمد عبدہٗ و رسولہٗ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا"**(۱۶۴)**

تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اور نسائی نے ان کلمات حدیث پر کہ ان میں توحید اور تنزیہ ہے دعا کا اطلاق کیا ہے۔ اب اس سے بھی ثابت ہوا کہ ہر توحید و تنزیہ بلا تخصیص، ثنا اور دعا ہے۔ اور نیز بروایت "ترمذی اور ابن ماجہ" وارد ہے:

"افضل الذکر لا الہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ"**(۱۶۵)**

---

(۱۶۳) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب التشہد جلد ۲/۵۷٦:۵۷۵۔

ترجمہ: یعنی تہلیل و تحمید کا نام دعا اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا سبب بننے کی منزل میں ہے ۔...... اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عرفہ کے دن کی افضل دعا "لا الہ الا اللہ وحدہ، الخ" ہے۔

(۱۶۴) سنن نسائی، باب الدعاء عند الاذان، جلد ۱/۷۹۔

ترجمہ: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسول ہونے سے راضی ہوا۔

(۱۶۵) **الف:** سنن ترمذی، باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ، ۲/۱۷٦۔

ب: سنن ابن ماجہ، باب فضل الحامدین، صفحہ ۲٦۹۔

ترجمہ: یعنی افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے اور افضل دعا "الحمد للہ" ہے۔

شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"فاضل ترین دعاہا الحمد للہ ست تسمیہ حمد بدعا بجہت آنست کہ ثنا بر کریم در معنی دعاو سوال ست" **(١٦٦)**

اور نیز مولوی قطب الدین خان نقل کرتے ہیں "کہ الحمد کو دعا اس لیے کہا کہ کریم کی تعریف دعاو سوال کے معنی کے درمیان ہے" **(١٦٧)**

اور نیز مولوی قطب الدین خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ذکر بھی حقیقت میں دعا ہے کیوں کہ ذکر اور ثنائے کریم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم کو دے" **(١٦٨)**

مذکورہ عبارات سے یہ ثابت ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف توحید اور تنزیہ ہے، اور ہر توحید اور تنزیہ ثنا ہے۔ اور ہر ثنا دعا ہے۔ اور ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا بموجب اقوال فقہا مثل طحطاوی وغیرہ ثابت ہے۔ لہذا موٴذن وغیرہ صدقہ لینے کے بعد بہ نیت دعا ہاتھ اٹھا کر کلمات دعائیہ یعنی الحمد اور قل ہو اللہ شریف وغیرہ جو دعا میں داخل ہیں پڑھتے ہیں۔ اور بہ نیت دعا جو انہوں نے ابتداءً ہاتھ اٹھائے اختتام دعا تک یہ ابتدائی نیت کافی ہے۔

فاتحہ مروجہ میں قل ہو اللہ اور الحمد شریف پڑھنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ الحمد اور قل ھو اللہ شریف جیسے حمد اور توحید اور تقدیس ہے ویسے ہی بموجب فرمودہ خداے پاک "انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون" **(١٦٩)** ذکر بھی ہے اس لئے کہ آیت میں

---

(١٦٦) اشعۃ اللمعات، ٢ / ٢٣٠، باب ثواب التسبیح والتحمید والتھلیل والتکبیر۔

ترجمہ: یعنی افضل دعا "الحمد للہ" ہے۔ حمد کا نام دعا رکھنا اس وجہ سے ہے کہ کریم کی تعریف دعاو سوال کے معنی میں ہے۔ **(١٦٧)** مظاہر حق، باب ثواب التسبیح الخ، جلد ٢ / ٢٧٧۔

(١٦٨) مرجع سابق۔ کتاب فضائل القرآن: جلد ٢ ص ٢١٠۔

(١٦٩) پارہ ١٤، سورہ حجر آیت ٩۔ **ترجمہ:** بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں [ترجمہ کنز الایمان]

ذکر سے قران شریف مراد ہے۔ اور الحمد اور قل ہو اللہ شریف قرآن شریف میں سے ہیں۔ اور نیز نسائی میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فقال ان اللہ عزوجل یعنی احدث فی الصلوۃ ان لا تکلموا الا بذکر اللہ" **(۱۷۰)**

یعنی اللہ تبارک تعالیٰ نے نماز کے اندر ذکر خدا کے سوا اور بات کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور بالاتفاق نماز میں الحمد کا پڑھنا واجب، اور قل ہو اللہ کا جائز ہے۔ تو بموجب اس حدیث شریف کے دونوں ذکر خدا میں داخل ہوئیں۔ اور جب یہ دونوں ذکر میں سے ہیں تو "شامی" میں مسطور ہے، کہ خبر میں وارد ہے:

"من شغلہ ذکری عن مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" **(۱۷۱)**

یعنی جس کو میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکا، میں اس کو اس چیز سے بہتر دیتا ہوں۔

لہٰذا بموجب اس خبر کے بوقت دعا اذکار الٰہی پر مشغول ہونا خواہ وہ الحمد اور قل ہو اللہ ہو یا غیر ہما جائز ہے۔ اور دعا اور سوال سے اس کا نتیجہ بہتر ہے۔ اور یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ فضیلت جو خبر بالا میں وارد ہے اسی ذکر کی ہے جو ذکر کہ کلام الٰہی سے غیر ہو۔ اس لیے کہ جو ذکر کہ کلام الٰہی سے غیر ہو اس کو اتنی فضیلت حاصل ہو کہ سوال اور دعا سے بہتر ہو تو جو ذکر کہ کلام الٰہی میں وارد ہو بطریق اولیٰ دعا اور سوال سے بہتر ہو گا۔

چنانچہ "ترمذی" نے بروایت ابو سعید رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کی ہے:

---

(۱۷۰) سنن نسائی، باب الکلام فی الصلاۃ، جلد ۱/۷/۱۳۔

(۱۷۱) **الف:** فتاوی شامی، کتاب الحج، مطلب الثناء علی الکریم دعاء، جلد ۳/۵۲۳۔

ب: شعب الایمان للبیہقی، ۲/۱۳۔

ج: مسند الفردوس، ۱/۲۹۹۔ **د:** مسند الشہاب، ۳۴۰۱۔

"فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ"**(۱۷۲)**

یعنی قرآن کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے خداے پاک کی فضیلت مخلوق پر۔

اب اس سے ثابت ہوا کہ قرآن میں مشغول ہونا سب ذکروں اور دعاؤں سے کہ ماسوا کلام اللہ کے ہوں بہتر اور افضل ہے۔ چنانچہ اس حدیث بالا کی ابتدا میں وارد ہے:

"یقول الرب تبارك و تعالیٰ من شغله القرآن عن ذکری و مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین"**(۱۷۳)**

یعنی اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کو قرآن نے ذکر اور سوال سے روکا جو غیر قرآن ہے تو اس کو دوں گا بہتر وہ چیز جو سب سائلوں کو دیتا ہوں۔

اور مشغول ہونا کلام اللہ میں کئی قسم پر ہے! جیسے پڑھنا اور یاد کرنا، اور کلام ربانی کے معنی میں تامل اور غور کرنا، اور اس پر عمل کرنا۔ اور یہ گمان بھی نہ کرنا چاہیے کہ ذکر خدا کے ساتھ باقی ادعیہ نہ ملائی جائیں بلکہ اگر خداے پاک کا ذکر اور توحید و تنزیہ کے ساتھ اور ادعیہ بھی ملائی جائیں اور کلام اللہ کی آیتیں بھی پڑھی جائیں تو یہ بھی سنت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور موجب اجابت و قبولیت ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات سے اٹھے اور یہ کلمات:

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شیء قدیر، الحمد للہ و سبحان اللہ ولا الہ الا اللّٰہ و اللّٰہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ"

پڑھے بعدہ دعا مانگے تو اس کی دعا مستجاب، اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو نماز قبول کی جائے۔ اور حدیث کی عبارت یہ ہے:

---

(۱۷۲) **الف:** سنن ترمذی، باب ماجاء کیف قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/۱۲۰۔

ب: سنن الدارمی، باب فضل کلام اللہ علی سائر الکلام، ۲/۵۳۳۔

(۱۷۳) سنن ترمذی، باب ماجاء کیف قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/۱۲۰۔

"ثم قال اللهم اغفرلی او دعا استجب له فان توضأ وصلی قبلت صلوته"(۱۷۴)
اس حدیث میں "لا اله" سے "الحمد" تک کلمات توحید و تقدیس و تنزیہ ہیں۔
اور "وھو علی کل شیء قدیر" آیت ہے۔ اور "سبحان اللہ" سے "الا با اللہ" تک نیز کلمات حمد و ثنا موجود ہیں۔ اور اس کے بعد کلمات دعائیہ ہیں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن کی آیت دعا سے پہلے پڑھنا جائز ہے۔ اور نیز حدیث دیگر بروایت ابو داؤد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس وقت رات کو جاگتے تھے فرماتے تھے:

"لا اله الا انت سبحانك اللهم استغفرك لذنبی واسألك رحمتك اللهم زدنی علما ولا تزغ قلبی بعد اذ هديتنی وهب لی من لدنك رحمة انك انت الوهاب"(۱۷۵)
اس حدیث میں "سبحانك" کے بعد "اذ هديتنی" تک سب کلمات دعائیہ ہیں۔
اور "ھدیتنی" کے بعد بھی اگرچہ کلمات دعائیہ ہیں مگر کلام اللہ کی آیات بھی ہیں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کلام اللہ کی آیتیں باقی کلمات دعائیہ کے بعد پڑھنی جائز ہیں۔ اور نیز حدیث دیگر سے کہ "نسائی" میں بروایت علی کرم اللہ وجہہ وارد ہے، یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیتیں کلام اللہ شریف کی پڑھیں:

"وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين ان صلاتی ونسكی الآية۔

---

(۱۷۴) صحیح بخاری، جلد ۱/ ۱۵۵، باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔ الخ۔
(۱۷۵) سنن ابوداؤد، جلد ۲/ ۶۹۰، کتاب الادب، باب مایقول الرجل اذا تعار من اللیل۔
ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پاکی ہے تجھے اے اللہ! میں تجھ سے اپنی بخشش کا طلب گار ہوں اور تجھ سے تیری رحمت مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے علم کو زیادہ فرما اور میرا دل ٹیڑھا مت فرما! بعد اس کے کہ تو نے مجھے ہدایت بخشی۔ اور مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرما! بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔

اور ان آیتوں کے پڑھنے کے بعد سرور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

"فاغفرلی ذنوبی جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق۔ (الحدیث)۔ **(۱۷۶)**

مذکورہ بالا حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلام اللہ کی آیتیں دعا سے پہلے اور بعد میں پڑھی ہیں۔ اور ایسی دعا پڑھنا بغیر نماز بھی جائز ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جس وقت قراءت کلام اللہ کا ثواب اموات کو پہنچانا منظور ہو تو یہ قراءت دعاے ایصال ثواب سے قبل ہو یا بعد۔ اب سن لو کہ حنفیہ اور متاخرین شافعیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ دعاے ایصال ثواب سے قبل قراءتِ قرآن ہونی چاہیے تا کہ قاری مستحقِ ثواب ہو، بعدہ غیر کو بذریعہ اس قراءت کے نفع پہنچاے، اور یہ ثواب ہدیہ کرے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک اگر قاری سے ہو سکے تو سورہ فاتحہ (یعنی الحمد اللہ) اخیر تک اور ابتداے سورہ بقر سے مفلحون تک اور آیۃ الکرسی اور اٰمن الرسول، اور سورہ یٰس اور تبارک الملک اور سورہ اخلاص بارہ، گیارہ، سات یا تین مرتبہ پڑھے بعدہ قاری یہ دعا مانگے اے بار خدایا! جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب ان لوگوں کو یعنی اموات کو پہنچا۔

چنانچہ "شامی" نے شرح لباب سے نقل کیا ہے:

"وفی شرح اللباب و یقرا من القرآن ما تیسر له من الفاتحة و اول البقرة الی المفلحون و آیة الکرسی و آمن الرسول و سورة یس و تبارك الملك و سورة التکاثر و

---

(۱۷۶) سنن نسائی، باب الدعاء بین التکبیر والقراءۃ، ۱/۱۰۳۔

پوری حدیث پاک اس طرح ہے:

"عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا استفتح الصلوۃ کبر، ثم قال وجّهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین لاشریك له وبذٰلك امرت وانا من المسلمین اللھم انت الملك لا اله الا انت انا عبدك ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق الخ۔"

الاخلاص اثنی عشر مرۃ او عشرا او سبعا او ثلثا ثم یقول اللھم او صل ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیھم"(۱۷۷)

چوں کہ کتب حنفیہ سے الحمد اور قل ھو اللہ شریف کا پڑھنا اور ان کا ثواب اموات کو پہنچانا ثابت ہوا، لہٰذا مؤذن وغیرہ کبھی فقط الحمد اور قل ھو اللہ شریف پڑھتے ہیں اور کبھی ان دونوں کے ساتھ بعض وہ آیتیں اور سورتیں جو شامی نے شرح لباب سے ثابت کیں، " قل ھواللہ شریف" اور "الحمد شریف" کے ساتھ ملا کر کے پڑھتے ہیں اور اس کو اپنی اصطلاح میں پنج آیت کہتے ہیں۔ اور ان آیتوں اور سورتوں کی فضیلت اور ان کا موجب نجات ہونا احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ مگر بخوف طوالت ان حدیثوں کو نقل نہیں کیا۔ اور حنفی کہتے ہیں کہ اس کا عین ثواب پہنچائے۔ اور متاخرین شافعیہ کا قول ہے کہ اگر میت غائب ہو تو قاری اولاً قرآن پڑھے اس لیے کہ قرآن کے سبب سے رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے اور قراءت قرآن کے بعد دعا قوی امید ہے کہ قبول ہوتی ہے۔ بعدہ یہ کہے۔ کہ اے بار خدایا! جو کچھ مین نے پڑھا اس کے ثواب کے مثل اموات کو پہنچا۔ چنانچہ "شامی" میں مسطور ہے:

"والذی حررہ المتاخرون من الشافعیۃ وصول القراءۃ للمیت ان کانت بحضرتہ اودعی لہ عقبھا ولو غائبا لان محل القراءۃ تنزل الرحمۃ والبرکۃ والدعاء عقبھا ارجی للقبول و مقتضاہ ان المراد انتفاع المیت بالقراۃ لاحصول ثوابھا لہ ولھذا

(۱۷۷) فتاوی شامی، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارۃ القبور، ۳/۱۵۱۔

ترجمہ: یعنی شرح لباب میں ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کی تلاوت کرے۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے شروع سے مفلحون تک اورآیۃ الکرسی اورآمن الرسول اور سورہ یٰس اور سورہ تبارک اور سورہ تکاثر ور سورہ اخلاص بارہ(۱۲) یا دس(۱۰) یا سات(۷) یا تین(۳) بار۔ پھر کہے: یااللہ ہم نے جو کچھ پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان سب (یعنی دیگر اموات) کو عطا فرما۔

اختاروا فی الدعاء اللھم اوصل مثل ثواب ما قرأته لفلان واما عندنا فالواصل الیه نفس الثواب"**(۱۷۸)**

سوال: آپ کے اقوال بالا سے معلوم ہوا کہ الحمد اور قل ہو اللہ یہ لوگ بہ نیت قرآن نہیں پڑھتے بلکہ دعا کی نیت سے پڑھتے ہیں پھر اموات کو قراءت کا ثواب پہنچانا کیسے ہو گا؟

جواب: اگر ان دونوں کو بہ نیت دعا پڑھے یا قراءۃً کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ جیسے قراءۃ عبادت ہے ویسے ہی دعا بھی عبادت ہے۔ اور بندہ کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب اگرچہ دعا ہو غیر کو پہنچائے چنانچہ "شامی" میں مسطور ہے:

"للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاۃً او صوماً او صدقۃً اوغیرھا، کذا فی الھدایة"**(۱۷۹)**

اور نیز "عالمگیری" میں مسطور ہے:

کہ ہر انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ خواہ نماز یا روزہ یا صدقہ ہو یا ذکر و قراءۃِ قرآن اور زیارت قبور انبیا و اولیا اور صالحین اور تکفین موتیٰ ہو، علی ھذا القیاس جمیع اقسام حسنات کا یہی حکم ہے اور "عالمگیری" کی عبارت یہ ہے:

---

(۱۷۸): مرجع سابق۔ ۳/۱۵۲،

ترجمہ: یعنی وہ جو متاخرین شوافع نے لکھا ہے کہ قراءت کا پہنچنا میت کے لیے ثابت ہے اگر میت کے سامنے ہو۔ یا قراءت کے بعد میت کے لیے دعا کرنا اگر میت غائب ہو۔ اس لیے کہ جہاں قراءت ہوتی ہے اس مقام پر رحمت و برکت نازل ہوتی ہے۔ اور قراءت کے بعد دعا کے قبول ہونے کی امید ہے۔ اور اس کا منشا یہ ہے کہ میت کو قراءت سے فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ یہ کہ اسے قراءت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے شوافع دعا میں یہ الفاظ اختیار کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو کچھ میں نے پڑھا اس کے ثواب کے مثل فلاں کو پہنچا۔ لیکن ہم احناف کے نزدیک ثواب بنفسہٖ اسے پہنچتا ہے۔

(۱۷۹): مرجع سابق۔ ۳/۱۵۱۔

"أن الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاۃ کان او صوما او صدقة او غیرها کالحج و قراءۃ القرآن والاذکار و زیارۃ قبور الانبیاء علیهم الصلوۃ و السلام و الشهداء والاولیاء والصالحین و تکفین الموتی و جمیع انواع البر"**(۱۸۰)**

جواب الزامی: یعنی فاتحہ مروجہ میں الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا ثبوت اس ضابطہ اور قاعدہ سے کرتا ہوں کہ جانب مخالف کے نزدیک بہت صحیح اور ان کے زعم میں ان کے مفید مدعا ہے۔ اور جانب مخالف اس قاعدہ کو اپنے عقائد کی جڑ کاٹنے والا نہ سمجھ کر ؂

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید **(۱۸۱)**

کا مصداق ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ جانب مخالف نے اپنی **اتباع سنت** کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے:

"مسلم شریف میں حدیث موجود ہے: لاصلاۃ بحضرۃ الطعام، اور صلاۃ کا اطلاق دعا پر شرع میں شائع ہے۔ تو حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دُعا درست نہیں ہے۔ فاتحہ مروجہ کی ممانعت صریح حدیث میں موجود ہوئی۔"

اقول: بنابر ترجمہ جانب مخالف اس حدیث "بخاری و مسلم" "لاصلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" **(۱۸۲)** اور نیز اس حدیث متفق علیہ "لا تقبل صلاۃ من احدث حتیٰ یتوضأ" **(۱۸۳)** کے معنی یہ ہوں گے کہ دعا بغیر سورہ فاتحہ جائز نہیں ہے۔ اور دعاے

---

(۱۸۰) فتاویٰ عالمگیری، باب فی الحج عن الغیر، ۱/۲۵۷۔

(۱۸۱) ایک شخص ٹہنی کے اوپر بیٹھ کر جڑ کاٹ رہا ہے۔

(۱۸۲) الف: صحیح بخاری، ۱/۱۰۴، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم۔

ب: صحیح مسلم، باب وجوب قراءۃ الفاتحة فی کل رکعة، ۱/۱۶۹۔

ترجمہ: یعنی اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔

(۱۸۳) الف: صحیح بخاری، ۱/۲۵، کتاب الوضوء، باب لاتقبل صلوٰۃ بغیر طهور

ب: صحیح مسلم، ۱/۱۱۹، باب وجوب الطهارۃ للصلاۃ۔

ترجمہ: یعنی اس شخص کی نماز مقبول نہیں جسے حدث لاحق ہو یہاں تک کہ وہ وضو کرلے۔

مروجہ بغیر وضو درست نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک صلاۃ کا استعمال دعا میں شائع ہے۔ اور باقی اس بحث کا مالہ وماعلیہ ابتداے کتاب میں لکھ چکا ہوں، جس کا جی چاہے دیکھ لے تو ربنا قول جانب مخالف ہمارے مطلب سے زائد امر ثابت ہوا۔ اس لیے کہ ہم الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا پڑھنا بوقت دعا مرسومہ جائز ومستحب جانتے ہیں اور ربنا ترجمہ جانب مخالف الحمد واجب ہوئی۔ اور اگر جانب مخالف یہ کہے کہ فاتحہ مروجہ میرے نزدیک دعا نہیں ہے بلکہ شرک وبدعت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک دعاے مروجہ کے علاوہ کوئی اور دعا مستحب یا مسنون ہو گی یا نہیں؟ اگر کوئی دعا آپ کے نزدیک مستحب یا مسنون ہو تو اس دعا میں آپ کے قاعدہ کے مطابق فاتحہ پڑھنا واجب اور وضو کرنا اس دعا کے لیے فرض ہوگا اور یہ خلافِ اجماع امت اور جانب مخالف کے مسلمات کے خلاف ہے۔ اور ثانی بالکل باطل ہے۔ اور نیز بروایت "مسلم" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے کہ جس نے تین آیتیں کلام اللہ کی صلاۃ میں پڑھیں تو وہ تین اونٹنیوں کے فائدے سے بہتر ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

"عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایحب احدکم اذا رجع الی اھلہ ان یجد فیہ ثلث خلفات عظام سمان قلنا نعم قال فثلاث آیات یقرأبھن احدکم فی صلاتہ خیرلہ من ثلث خلفات عظام سمان" (۱۸۴)

جانب مخالف کے قاعدہ کی بنیاد پر اگر صلاۃ سے دعا مراد ہو تو بوقتِ دعا قرآن شریف کی آیتیں موجب ثواب عظیم ہوں گی نہ شرک وبدعت اور اس کی پوری بحث گذر چکی۔

سوال۴: جانب مخالف کا چوتھا سوال یہ ہے کہ ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز اور قرون ثلاثہ میں

---

(۱۸۴) الف: صحیح مسلم: باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلاۃ، ۱/۲۷۰۔

ب: سنن ابن ماجہ: ۲۶۷، باب من کان معہ سھام فلیاخذ بنصالھا۔

ج: شعب الایمان للبیہقی: فصل فی استحباب القراءۃ فی الصلاۃ، ۵/۲۵۵،

ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: مردوں یا زندوں کو اپنی زبان سے ثواب پہنچانا اور یہ کہنا کہ اس کا ثواب فلاں کے لیے ہے یا یہ کہنا کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا، حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہے۔ چنانچہ بروایت ابو داؤد و نسائی حضرت سعد بن عبادہ سے وارد ہے:

"عن سعد بن عبادة انه قال يا رسول الله ان ام سعد ماتت فاى الصدقه افضل قال الماء فحفر بيرا و قال هذه لام سعد"(۱۸۵)

یعنی حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم سعد کی ماں مر گئیں، کون سا صدقہ بہتر ہے سرور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی۔ پس انہوں نے کنواں کھودا۔ اور کہا" هذه لام سعد "یعنی یہ صدقہ اُم سعد کے لیے ہے۔"

شیخ عبد الحق علیہ الرحمۃ نے اس عبارت حدیث" وقال هذه لام سعد "کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"وگفت ایں چاہ برائے ام سعد ست وبرائے اوست تا ثواب این بروح وے برسد۔" **(۱۸۶)**

مولوی قطب الدین خان صاحب نے عبارت بالا کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

" اور کہا یہ کنواں صدقہ ہے سعد کی ماں کے لیے" **(۱۸۷)**

اس حدیث شریف اور شارحین کے ترجموں سے ثابت ہوا کہ نیت کے علاوہ اگر زبان سے ایصال ثواب اموات کے لیے کریں تو یہ مستحب اور موافق حدیث ہے۔ اس لیے کہ شارحین نے "قال" کا ترجمہ گفتار، اور کہا، لکھا ہے۔ نیز بروایت ابو داؤد صالح بن

---

(۱۸۵) الف: سنن ابو داؤد، باب فی فضل سقی الماء، ۱/۲۳۶۔

ب: سنن نسائی، باب فضل الصدقة عن الميت، ۲/۱۱۵۔

(۱۸۶) اشعة اللمعات، باب فضل الصدقة، ۲/۵۶۔

(۱۸۷) مظاہر حق، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة۔

درہم سے وارد ہے۔ انہوں نے کہا کہ: وہ بہ ارادہ حج گئے تھے کہ اچانک (انہوں نے دیکھا کہ) ایک شخص کھڑا تھا (یعنی حضرت ابوہریرہ) پس اس (شخص) نے کہا کہ تمہارے پاس اُبلہ نامی بستی ہے۔ ہم نے کہا کہ ہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم میں سے کون میرے لیے ذمّہ لیتا ہے کہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعت پڑھے اور کہے: "ھذہ لابی ھریرۃ" یعنی اس کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے۔ **(۱۸۸)**

چنانچہ "لمعات" میں مسطور ہے:

"ان معناہ ثواب ھذہ الصلاۃ لابی ھریرۃ" **(۱۸۹)**

نیز مولوی قطب الدین خان صاحب نے مظاہر الحق میں اس عبارت حدیث کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

"اور کہے اس نماز کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے۔" **(۱۹۰)**

ترجمہ مولوی قطب الدین خاں صاحب کے بموجب حدیث سے ثابت ہوا کہ قلبی نیت کے علاوہ زبان سے اموات کے لیے ایصال ثواب کرنا مستحب اور حدیث سے ثابت ہے۔ اور "شامی" میں شرح لباب سے منقول ہے کہ قاری قرآن سے جو اس کو میسّر ہو پڑھے۔ الحمد للہ، اور سورہ بقر مفلحون تک اور آیۃ الکرسی اور آمن الرسول اور سورہ یس اور تبارک الملک اور سورہ تکاثر اور اخلاص (میں) سے بارہ یا دس یا سات یا تین مرتبہ پڑھے

---

(۱۸۸) سنن ابوداوٗد، ۲/ ۵۹۲، باب فی ذکر البصرۃ، عربی عبارت اس طرح ہے:

"ابراھیم بن صالح بن درھم قال سمعت ابی یقول انطلقنا حاجین فاذا رجل فقال لنا الی جنبکم قریۃ یقال لھا الابلۃ قلنا نعم قال من یضمن لی منکم ان یصلی لی فی مسجد العشار رکعتین او اربعا ویقول ھٰذہ لابی ھریرۃ الخ۔

(۱۸۹) لمعات، بحوالہ مشکوٰۃ، باب الملاحم، ۲/ ۴۶۸، حاشیہ نمبر ۱۱۔

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہوے کہ اس نماز کا ثواب ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہے۔

(۱۹۰) مظاہر حق، باب الملاحم، ۴/ ۳۱۷۔

پھر کہے اے بار خدایا! جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کی طرف پہنچا(یعنی ایک شخص کانام لے) یاان کی طرف پہنچا(یعنی ایک جماعت کو ثواب پہنچادے)اگرچہ عبارت شامی سابق میں نقل کی گئی ہے مگر اس مدعا کی توثیق کے لیے پھر اس کا اعادہ کرتاہوں:

(قوله ویقرأیس)لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة یٰس خفف اللہ عنهم یومئذ وکان لهٗ بعدد من فیها حسنات،بحر:و فی شرح الباب ویقرأ من القران ما تیسر له من الفاتحة واول البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی وآمن الرسول و سورة یس وتبارك الملك وسورة التکاثرو الاخلاص اثنی عشر مرة او عشر او سبعا او ثلثا ثم یقول اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الی فلان او الیهم"**(۱۹۱)**

سوال۵: ہند میں یہ طریقہ جاری ہے کہ موذن وغیرہ کے سامنے طعام پختہ رکھا جاتا ہے اور وہ اس پر ہاتھ اٹھا کر قرآن پڑھتا ہے اور اپنی زبان سے مردوں کو ثواب پہنچاتا ہے اور اس ہیٔتِ کذائی کے بغیر ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا؟

جواب: اور باتوں کا جواب تو گذر چکا مگر آخری بات (یعنی کہ بغیر اس ہیٔت کذائی کے ایصال ثواب طعام پختہ نہیں ہوتا)کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کی اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر اس ہیٔت کذائی کے کہ جس میں یہ طعام پختہ بھی داخل ہے ثواب اس طعام

(۱۹۱) فتاوی شامی،باب صلاۃ الجنازۃ،۳/۱۵۱۔

یعنی ان کا قول کہ سورہ یٰس پڑھے...... جیسا کہ وارد ہوا کہ جو شخص قبروں پر حاضر ہو کر سورہ یٰس تلاوت کرے تو اللہ اموات کے عذاب میں تخفیف فرمادیتا ہے۔ اوراسے بھی ان سورتوں کے پڑھنے کا ثواب عطافرماتا ہے۔ بحوالہ بحر۔اور شرح لباب میں ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو تلاوت کرے سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ کی ابتدا سے مفلحون تک اور آیت الکرسی اور آمن الرسول اور سورہ یٰس اور سورہ ملک اور سورہ تکاثراور سورہ اخلاص، ۱۲۔یا۱۰۔یا۷۔یا۳۔ مرتبہ۔ پھر کہے اے اللہ! جو ہم نے تلاوت کیا اس کا ثواب فلاں کو یا دیگر اموات کو عطافرما۔

پختہ کا نہیں ہوتا اگر ہو بھی تو اس طعام پختہ کا ثواب دوسری ہیئت میں ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ فقرا اور صالحین کو طعام پختہ بغیر اس ہیئت کذائی کے بھی دیتے ہیں اور وہاں بھی نیت ایصال ثواب اموات کے لیے کرتے ہیں اور جائز بھی جانتے ہیں۔ اور زبان سے بھی جائز کہتے ہیں۔ اور (جانب مخالف کو معلوم ہونا چاہیے کہ) مسلمانوں پر تہمت لگانے اور افترا باندھنے کا بڑا سخت گناہ ہے اور اس میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔

اور اس سوال کے اخیر میں جانب مخالف نے صفحہ ۱۰ میں یہ فقرہ بھی لگایا ہے کہ:

"اکثر کا تو عقیدہ یہ ہے مگر بعض اہل ہند زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہیئت خاص ضروری نہیں لیکن عمل ان کا بھی اس تخصیص پر ایسا ہے جیسا کہ ضروری یا واجب پر ہوتا ہے کیوں کہ عوام کے نزدیک تارک فاتحہ مروجہ وغیرہ بدعات کا مورد طعن ہے۔ بلکہ تارک صوم وصلاۃ یا مرتکب کبیرہ مثل حلق ریش وغیرہ ان کے نزدیک نہ مورد طعن ہے اور نہ وہابی۔ البتہ بدعات مذکورہ کا تارک ان کے نزدیک سخت مورد طعن ہے اور فاسق بلکہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہیں۔ یہی علامت واجب اعتقاد کرنے کی ہوتی ہے۔ آیا یہ امور شرعاجائز ہیں یا نہیں۔ قرون ثلثہ میں ثابت ہیں یا نہیں۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مولف کا یہ فقرہ (ان امور کو نہ فرائض نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) محض غلط وخلاف واقع ہے۔ مگر مؤلف نے یہ سوال جو مطابق واقع تھا نہ کیا۔ بلکہ اپنی طرف سے چند سوال بنا کر لکھے۔ وهل هذا الا تزویر وتلبیس" (۱۹۲)

اقول: جانب مخالف کے قول بالا کی اول عبارت آخر عبارت کو رد کرتی ہے۔ اس لیے کہ اوّل میں لکھتا ہے کہ بعض اہل ہند زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہیئت خاص ضروری نہیں اور اسی قول کے آخر میں لکھتا ہے کہ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کا یہ فقرہ کہ (ان امور کو نہ فرائض نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) محض غلط و خلاف واقع ہے۔ اب میں جانب مخالف سے یہ کہتا ہوں کہ تم نے خود اپنے اول قول میں اقرار کیا کہ ہند میں بعض

---

(۱۹۲) یہ دھوکہ ہے۔

ایسے لوگ ہیں کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہیئت خاص (یعنی فاتحہ مروجہ میں)ضروری یعنی فرض اور واجب نہیں ہے۔اور مولانا صاحب مد ظلہ سے بھی ایسے ہی لوگوں نے استفسار کیا اور کہا ہے کہ ہم فاتحہ مروجہ میں کسی ہیئت خاص کو فرض اور واجب نہیں جانتے ہیں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے ۔تو مولانا صاحب نے ان کا سوال **"دعاے برکت"** میں مندرج کرکے حدیث سے جواب دیا۔ ہاں اگر ہند کے سب عاملین فاتحہ مروجہ ان امور اور کسی ہیئت خاص کو واجب جانتے تو مولانا صاحب کا سوال خلاف واقع اور ان کا جواب فرضی اور بناوٹی سوال کا جواب ہوتا۔اور چوں کہ آپ کے اقرار سے ثابت ہوا کہ بعض اہل ہند اس ہیئت خاص فاتحہ مروجہ کو زبان سے ضروری یعنی فرض و واجب نہیں کہتے ہیں ۔تو مولانا صاحب سے بھی ایسے ہی لوگوں نے سوال کیا کہ فاتحہ مروجہ کی ہیئت خاص کو فرض و واجب نہیں جانتے۔ لہٰذا مولانا صاحب نے دعاے برکت میں یہ فقرہ تحریر فرمایا(چوں کہ ان امور کو نہ فرائض اور نہ واجبات سے سمجھتے ہیں) تو ان امور کا استحباب اور جواز احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اور جانب مخالف کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ان امور کے فرض اور واجب جاننے کا قرینہ یہ بتایا کہ ان لوگوں کے نزدیک تارک فاتحہ مروجہ وغیرہ مورد طعن ہے اور تارک صوم وصلاۃ وغیرہما ان کے نزدیک مورد طعن نہیں اور نہ وہابی۔اور **اتباع السنۃ** صفحہ ۱۸ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تارک فاتحہ مروجہ کو وہابی کہتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ ہر تارک فاتحہ مروجہ کو برا نہیں کہتے اس تارک کو برا جانتے ہیں جو کہ اس فاتحہ مروجہ کو حرام اور ناجائز جان کر ترک کرے۔اس لیے کہ فاتحہ مروجہ کے جمیع اجزا جائز اور حلال قرآن اور حدیث اور اقوال فقہا سے ثابت ہو چکے۔اور جو کوئی امر جائز کو ناجائز یا حلال کو حرام بتائے وہ بلا شک سب کے نزدیک تارک صوم و صلاۃ وغیرہما سے بدتر ہے۔اس لیے کہ تارک صوم وصلاۃ اگرچہ گناہ کرتا ہے مگر اپنے گناہ کا اقرار بھی کرتا ہے۔اور جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام نہیں جانتا ہے۔اور گناہگار کا رتبہ

حلال کو حرام سمجھنے والے سے بہتر ہے اور یہ زیادہ مورد طعن ہے نہ گناہگار۔ عالمگیری وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جس کا جی چاہے دیکھے۔

اب ثابت ہوا کہ ان لوگوں یعنی عاملین فاتحہ مروجہ شریفہ کے نزدیک یہ امور جائز اور مستحب ہیں۔ اور لوگ ان امور کے جواز سے منکر ہیں ان کو برا جانتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہ لوگ ان امور مقدسہ کو فرض وواجب جان کر مخالفین کو برا جانتے ہوں۔ باقی رہا وہابی وغیر وہابی کا جھگڑا چوں کہ میں اہل سنت و جماعت مقلد حنفی المذہب ہوں اور مجھ کو سوائے تقلید کے اور چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا جو مسٔلہ اہل سنت وجماعت کی کتابوں میں دیکھتا ہوں اس کو نقل کرتا ہوں اور اپنی طرف سے کسی فرقہ کے لیے نام نہیں تراشتا ہوں۔ لہٰذا جن کو اہل سنت وجماعت کی کتابوں میں معتزلہ لکھا ہے ان کو معتزلہ جانتا ہوں اور جس کو خارجی لکھا ہے اس کو خارجی تصور کرتا ہوں اور ”شامی“ جو اہل سنت وجماعت کی بہت معتبر کتاب ہے اور علماے ہند وغیرہ کا اس کی روایتوں پر عمل ہے اس میں یہ مسٔلہ موجود ہے کہ جن خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کیا وہ صحابہ کرام کو کافر کہتے تھے مگر جمیع خارجی ایسے نہیں ہیں، جیسے محمد بن عبد الوہاب نجدی کے تابع داران کہ انہوں نے نجد سے خروج کیا، اور حرمین شریفین پر غالب ہو گئے۔ اور اپنے آپ کو حنبلی مذہب کہتے تھے لیکن وہ یہ اعتقاد کرتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقائد کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔ اور اس سبب سے اہل سنت اور ان کے علما کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑی اور ۱۲۳۳ھ میں اہل اسلام کے لشکر اُن پر غالب ہوئے، اور خدا نے ان کے بلاد کو خراب کیا۔ اور ”شامی“ کی عبارت یہ ہے:

” قوله(ويكفرون اصحاب نبينا صلى الله عليه وسلم)علمت ان هذا غير شرط في مسمى الخوارج ،بل هوبيان لمن خرجوا على سيدنا على رضى الله تعالىٰ عنه والا فيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه، كما وقع في زماننا في اتباع عبد الوهاب **(۱۹۳)**

---

(۱۹۳) پورا نام محمد بن عبد الوہاب نجدی ۱۲۰۶ھ ہے۔ عبارت میں عبد الوہاب نجدی

الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذہب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم مشرکون، واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتے کسر الله تعالٰی شوکتهم وخرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومائتین وألف" **(۱۹۴)**

عبد الوہاب نجدی کے تابعداروں کا حال فتاوی شامی سے معلوم ہوا۔ اور نیز علما کا اس قول شامی پر عمل ہے۔ چنانچہ "نسائی" **(۱۹۵)** جلد ثانی مطبوعہ مطبع نظامی کے حاشیہ پر

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:۔

لکھا ہوا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد الوہاب نجدی خارجی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کا ناخلف لڑکا محمد بن عبد الوہاب نجدی گمراہ و خارجی ہے۔ اور اس کے والد عبد الوہاب متوفی ۱۱۵۳ھ، سنی صحیح العقیدہ مسلمان اور علماے صالحین میں سے تھے، جیسا کہ علامہ جمیل آفندی عراقی نے الفجر الصادق: ص۱۷۔ میں لکھا ہے:

"کان ابوہ عبد الوهاب وهو من العلماء الصالحین..... ویحذر الناس منه"

یعنی اس کے باپ عبد الوہاب علماے صالحین میں سے تھے اور وہ لوگوں کو اس سے بچاتے تھے۔ شیخ علی طنطاوی نے لکھا کہ:

"ولم یرتض ابوہ هذا المسلك منه ولم یقرہ علیه وکان یوثر المسالمة ویکرہ العنف فنهاہ"

یعنی اس کے والد اس کے اس کارنامہ سے ناراض ہوئے اور اس کو اس پر سرزنش کی، وہ صلح جو شخص تھے۔ جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے، انہوں نے اُس کو اِس کام سے منع فرمایا الخ۔ [محمد بن عبد الوہاب للطنطاوی: ص۲۱]

(۱۹۴) فتاوی شامی، باب البغاة، مطلب فی اتباع عبد الوهاب الخوارج فی زماننا، ۶/۴۰۳۔

(۱۹۵) حاشیہ نسائی کی عربی عبارت درج ذیل ہے:

"قد وقع خروجهم مرارًا أفادہ العینی، وقال الشامی کما وقع فی زماننا خروج اتباع (محمد بن) عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد الخ۔" سنن نسائی، جلد ۲/۶۳۴، حاشیہ ۵۔

بموجب اس عبارت شامی کے تابعداران عبد الوہاب کو خارجیوں میں سے سمجھا۔**(۱۹۶)**

اور نیز جناب مولوی صاحب مد ظلہ نے **دعاے برکت** میں بہ ثبوت حدیث یہ تحریر فرمایاہے کہ:

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یوم خندق میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند اشخاص کے ساتھ ضیافت کی۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب اہل خندق کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ضیافت کو بلایا۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے کہا آٹا مت پکاؤ۔ اور ہانڈی مت اتارو۔ یہاں تک کہ میں آؤں جب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، تو انہوں نے دعاے برکت فرما کر ہانڈی اور آٹے میں لعابِ دہن مبارک ڈالا۔''

حدیث کی عبارت یہ ہے:

---

(۱۹۶) نیز محمد بن عبد الوہاب نجدی کے تعلق سے دیابنہ کے شیخ الہند یعنی مولوی حسین احمد مدنی صاحب اپنی کتاب الشہاب الثاقب (جسے گالی نامہ کہا جائے تو بجا ہو گا کیوں کہ اس میں علماے اہل سنت خاص کر امام اہل سنت کو خوب گالیاں دی گئی ہیں۔) میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبد الوہاب نجدی۔۔۔۔۔ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا....

الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خونخوار فاسق شخص تھا الخ''[الشہاب الثاقب ص ۵۴]

لیکن اس کے برعکس انہی دیوبندیوں کے دوسرے مولوی جو ان کے نزدیک قطب الارشاد، امام ربانی ہیں یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی انہوں نے اپنے فتاوی میں محمد بن عبد الوہاب سے متعلق اپنے نظریات کو اس طرح ظاہر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''محمد بن عبد الوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا.....عامل بالحدیث تھا بدعت و شرک سے روکتا تھا'' دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں ''محمد بن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے... مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں.... عقائد سب کے متحد ہیں۔ الخ۔[فتاوی رشیدیہ ۲۴۱،۲۴۲]

"فاخرجت لہ عجینا فبصق فیہ و بارك ثم عمد الی برمتنا فبصق وبارك (الحدیث)**(۱۹۷)**

یعنی رسول اکرم نے آٹے اور ہانڈی میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور دعاے برکت فرمائی۔ اور جانب مخالف نے **اتباع سنت** کے صفحہ (۱۲) میں یہ لکھا ہے کہ:

"حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں لفظ" بصق و بارك "مذکور ہے یعنی آنحضرت نے طعام پر تھوکا اور برکت بمعنی زیادتی چاہی۔"

اور آگے چل کر لکھا ہے۔ **"ہاں تھوکنا ثابت ہوتا ہے نہ فاتحہ مروجہ۔ اور حدیث "لا یتنفس فی الاناء" سے اس کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ بس حدیث (یعنی حدیث جابر رضی اللہ عنہ) قابل استدلال نہ رہی۔ پھر اگر ثابت ہو تو تھوکنا"**

اقول: جانب مخالف نے جو "بصق" کے معنی یہ بیان کیے کہ سرور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طعام پر تھوکا، اس میں چند غلطیاں ہیں۔ اول یہ کہ اردو کے محاورہ میں ایک چیز پر تھوکنا اس کی حقارت ہے۔ اور قطع نظر اس سے یہ معنی شراح حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب "**فبصق**" کے معنی یہ لکھتے ہیں:

"پس آب دہن ڈالا آپ نے اس میں "**(۱۹۸)**

تیسری غلطی یہ ہے کہ: جانب مخالف یہ کہتا ہے کہ تھوکنے کی ممانعت جو حدیث "**لایتنفس فی الاناء**" میں وارد ہے، سے ثابت ہوتی ہے۔ اور غلطی کی وجہ یہ ہے کہ "**لا یتنفس فی الاناء**"**(۱۹۹)** سے اس امر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، کہ کوئی پانی پیتے وقت

---

(۱۹۷) الف: صحیح بخاری، باب غزوۃ الخندق، ۲/۵۸۹۔

ب: صحیح مسلم، ۲/۱۷۸، باب جواز استتباعہ الخ۔

(۱۹۸) مظاہر حق تتمہ جلد چہارم، باب فی المعجزات، ص۸۔

(۱۹۹) الف: صحیح بخاری، ۲/۸۴۱، باب النھی عن التنفس فی الاناء۔

ب: سنن ترمذی، ۲/۱۱، باب فی کراھیۃ النفس فی الاناء۔

برتن سے منہ لگاکر سانس لے۔**(۲۰۰)** اور حدیث جابر سے یہ ہر گز مفہوم نہیں ہوتا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آٹے کے برتن یا ہانڈی سے منہ لگاکر سانس لیا ہو تاکہ "**لایتنفس فی الاناء**" سے اس کی ممانعت ثابت ہو۔(اور من کذب علی متعمدا) **(۲۰۱)** کو ضرور زیر نظر رکھنا چاہیے) بلکہ برتن میں لعاب ڈالتے وقت برتن سے منہ نہیں لگایا جاتا، بلکہ برتن سے منہ الگ ہوتا ہے۔ اور جس وقت برتن سے منہ الگ ہو تو سانس لینا جائز ہے۔ اور کسی صورت سے "لایتنفس فی الاناء" سے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ اس لیے کہ صریح حدیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے عرض کیا: کہ میں ایک سانس میں پانی پینے سے سیر اب نہیں ہوتا ہوں تو

---

(۲۰۰) یہی لکھا ہے دیوبندیوں کے محدث کبیر انظر شاہ کشمیری نے شرح ترمذی العرف الشذی جلد ۳/ ۲۸۹، میں۔ وہ لکھتے ہیں:

"لم یثبت التنفس فی الاناء بل اخراج النفس فی وسط الشرب یدفع الاناء عن الفم لافی الاناء"

ترجمہ: یعنی برتن میں سانس لینا ثابت نہیں بلکہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لینا ثابت ہے۔

اور فتح الباری لابن حجر میں ہے:

"المراد بالنهی عن التنفس فی الاناء ان لایحصل نفسه داخل الاناء"

ترجمہ: یعنی برتن میں سانس لینے کے سلسلے میں جو نہی وارد ہے اس سے مراد یہ ہے کہ برتن کے اند سانس نہ لی جائے۔

(۲۰۱) صحیح مسلم،۱/۷، باب تغلیظ الکذب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، پوری حدیث اس طرح ہے:

"من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار"

ترجمہ: جس نے میری جانب کسی جھوٹ کو منسوب کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ:

برتن منہ سے الگ کرکے سانس لے کر پھر پانی پیو! اور بروایت "ترمذی" حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے وارد ہے کہ:

"قال فانی لا اروی من نفس واحد قال فابن القدح اذا عن فیك ثم تنفس"**(۲۰۲)**

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ "**لایتنفس فی الاناء**" سے لعاب ڈالنے کی ممانعت جو حدیث جابر میں وارد ہے، مفہوم نہیں ہوتی۔

اور نیز جانب مخالف سے استفسار ہے کہ اگر کسی امام یا مجتہد یا فقیہ یا شارحین حدیث نے یہ لکھا ہو کہ "**لایتنفس فی الاناء**" کی وجہ سے جابر کی حدیث قابل حجت نہیں رہی تو دکھاؤ! اگر قابل عمل ہو تو ہم بھی اس پر عمل کریں۔ ان بیچارے اَن پڑھ مسلمانوں کو کیوں بہکاتے ہو؟ اور ان سب کا گناہ کیوں اپنے سر پر لیتے ہو؟

جانب مخالف **اتباع السنۃ** صفحہ ۱۷ میں جناب مولوی صاحب بدعت کے تہ وبالا کرنے والے کی نسبت یہ عبارت مسطورہ ذیل لکھتا ہے:

"تنبیہ: مولف (یعنی جناب مولوی صاحب مدظلہ) بعد ترجمہ حدیث لکھتا ہے: (چوں کہ سرور کائنات نے دعا مومنین اور مسلمین سے مانگی ہے تو اوروں کے لیے

---

(۲۰۲) الف: سنن ترمذی، باب ماجاء فی کراھیۃ النفخ فی الشراب، ۲/۱۱۔

ب: صحیح ابن حبان، کتاب الاشربہ، ۱۲/۱۲۷۔

ج: شعب الایمان للبیہقی، باب کراھیۃ التنفس فی الاناء، ۱۲/۴۸۸۔

حدیث کے آخری الفاظ "ثم تنفس" ترمذی میں نظر نہیں آئے۔ ہاں صحیح ابن حبان وشعب الایمان کی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

یعنی ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا فرمایا: پیالہ کو منہ سے دور کرکے سانس لو۔

بطریقہ اولیٰ مستحب ہو گی) اس عبارت سے خوبی فہم مولف ظاہر ہے سرور کائنات نے ہر گز ہر گز مومنین سے دعا نہیں مانگی کیوں کہ غیر خدا سے دعا مانگنا ناجائز ہے بلکہ شرک ہے: "قال اللہ تعالیٰ لاتدعوا الا ایاہ" (۲۰۳) انبیا علیہم السلام شرک سے منزہ ہیں"

اقول: اگر فرض کیا جائے کہ کاتب کی غلطی نہیں ہے تاہم مولانا صاحب کی عبارت نقصان سے بری ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومنین اور مسلمین سے دعا مانگی اور مانگنا بمعنی طلب ہے۔ یعنی سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین اور مسلمین سے وسیلہ کی دعا طلب کی۔

اور مرقات شرح مشکوۃ میں: "سلوا اللہ لی الوسیلۃ" کے تحت میں مسطور ہے کہ:

"قال الطیبی: وانما طلب علیہ السلام من امتہ الدعاء لہ بطلب الوسیلۃ افتقارا الی اللہ تعالیٰ وھضما لنفسہ، او لینتفع امتہ ویثاب علیہ اویکون ارشادا الھم فی ان یطلب کل منھم من صاحبہ الدعاء لہ" **(۲۰۴)**

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے وسیلہ کی دعا اس لیے طلب کی کہ اس میں خدا کی طرف اظہار احتیاج اور کسر نفسی ہے۔ یا اس سبب سے کہ اس دعا سے امت نفع اٹھائے اور اس دعا کا ثواب ان کو ملے۔ یا امت کے لیے ارشاد ہے کہ ہر ایک ان میں سے اپنے دوست سے اپنے لیے دعا طلب کرے (اور طلب کے معنی مانگنا ہیں)

اور جانب مخالف کہ اپنے مدعا کے لیے یہ دلیل لایا:

"قال اللہ تعالیٰ: لاتدعوا الا ایاہ" تو قال اللہ تعالیٰ سے صاف ثابت ہوتا ہے "لا تدعوا الا ایاہ" جانب مخالف کے نزدیک قرآن کی آیتوں میں سے ہے اور حالانکہ قرآن

---

(۲۰۳) اس (اللہ تعالیٰ) کے علاوہ کسی کو مت بلاؤ۔ یہ آیت نہیں ہے، بلکہ جانب مخالف کی اپنی اختراع ہے۔ بلکہ آیت یہ ہے "لاتعبدوا الا ایاہ" اس کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ ترجمہ کنز الایمان: پارہ ۱۵: سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۲۳۔

(۲۰۴) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین، ۱۰/ ۴۴۷۔

شریف میں کسی جگہ "لا تدعوا الا ایاہ" وارد نہیں۔ اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول اور فرمودہ ہو یا منسوخ التلاوۃ یا قراءت غیر متواتر میں وارد ہو تو جانب مخالف کو ضرور تھا کہ بیان کرتا کہ "لا تدعوا الا ایاہ" منسوخ التلاوۃ یا قراءت غیر متواتر میں وارد ہے تاکہ غیر قرآن کو عوام الناس بلکہ خواص بھی قرآن سے نہ سمجھیں، اس لیے کہ جو منسوخ التلاوۃ یا قراءت غیر متواتر ہے قرآن ہی نہیں ہے۔

چنانچہ "منار" میں مسطور ہے کہ:

"القرآن المنزل علی الرسول علیہ السلام المکتوب فی المصاحف المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ" **(۲۰۵)**

یعنی قرآن وہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل اور مصاحف میں مکتوب اور ان سے بتواتر بلاشبہ منقول ہو۔

اور نورالانوار شرح منار میں مسطور ہے کہ:

اگر "المصاحف" سے بتقدیر لام عہد قراے سبعہ کے مصاحف مراد ہوں تو اس قید کی وجہ سے کلام الٰہی منسوخ التلاوۃ نکل گیا۔ جیسے کہ "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا" بلکہ جمیع اقسام کلام الٰہی جو قرآن سے غیر ہیں اس قید یعنی المصاحف کی وجہ سے نکلتے ہیں۔ اور مصنف کی یہ عبارت "المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ" صرف واقع کا بیان ہے نہ قید احترازی۔ اور بتقدیر یکہ "المصاحف" میں الف لام جنس کا ہو اور مصاحف سے مطلق مصاحف مراد ہوں تو بنابریں تقدیر یہ قول مصنف "المنقول عنہ نقلا متواترا بلا شبھۃ" کی وجہ سے قرآن شریف سے وہ کلام الٰہی نکل گیا جو بطریق احادیث رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہو۔ جیسے قضاے رمضان میں ابی کی قراءت "فعدۃ من ایام اخر متتابعات" اور نیز اسی قید کی وجہ سے وہ کلام الٰہی بھی نکل گیا جو بطریق شہرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہو۔ جیسے ابن سعود کی یہ

(۲۰۵) منار، بحوالہ نورالانوار، صفحہ ۱۰،۹۔

قراءت سرقہ کی حد میں

"فاقطعوا ایمانہما"**(۲۰۶)**

اب میں جانب مخالف سے یہ سوال کرتا ہوں۔ کہ تم نے "لا تدعوا الا ایاہ" اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول قرار دیا۔ حالانکہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ اب بسند کتب معتبرہ یہ بتاؤ! کہ "لا تدعوا الا ایاہ" منسوخ التلاوۃ یا قراءت متواتر میں وارد ہے۔ (اور بتقدیریکہ لا تدعوا الا ایاہ، حدیث قدسی میں وارد ہو تاہم یہ پتہ بتانا ضرور تھا کہ یہ حدیث قدسی میں سے ہے تاکہ لوگ غیر قرآن کو قرآن سے نہ سمجھیں۔ ۱۲)

اور اگر یہ نہ بتا سکو تو معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں تم نے اپنی طرف سے اصلاح لگائی اور خداے تعالیٰ پر افترا کیا۔ اور شاید جانب مخالف اس سے بے خبر ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے "وانا لہٗ لحٰفظون "یعنی تحقیق ہم قرآن شریف کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جانب مخالف اپنے قول بالا میں افترا کے بعد جناب مولوی صاحب مد ظلہ کی نسبت یہ لکھتا ہے:

"مولف نشہ بدعت میں مدہوش ہے نہ اسے یہ خبر ہے کہ کیا لکھ رہاہوں نہ یہ تمیز کہ کس کی طرف نسبت کررہاہوں۔ اس موقع میں بجواب مجھ کو یہ مثل یاد آئی (گناہ میں کروں توبہ تو کر)"

---

(۲۰۶) نورالانوار کی عربی عبارت درج ذیل ہے:

"اللام فی المصاحف ...للعهد والمعهودوهومصاحف القراء السبعة...يحترز بهذا القيد عما نسخت تلاوته... كقوله تعالىٰ الشيخ والشيخة اذازنيافارجموهانكالا من الله.... وعن قراءة ابي ونحوه مما لم يكتب في المصاحف السبعة... احترزبقوله متواتراعمانقل بطريق لآحاد كقراءة ابي في قضاء رمضان فعدة من ايام من اخر متتابعات وعمانقل بطريق الشهرة كقراءة ابن مسعودفي حدالسرقة فاقطعوا ايمانهما الخ۔ [نورالانوار صفحہ ۱۱،۱۰۔

مخفی نہ رہے کہ جناب استاذی قاطع بدعت بحر السنت نے اپنی کتاب فیض نصاب **"دعاے برکت"** کی ابتدا سے انتہا تک چند امور شرعاً ثابت کیے ہیں:

(۱): دعاے برکت

(۲): دعاے برکت کے وقت طعام کا حاضر ہونا

(۳): طعام کے حاضر ہونے کے وقت صلحا سے یہ استدعا کرنا کہ خداے پاک سے یہ دعا مانگو کہ اس طعام کا ثواب اموات کو عطا فرما کر ان پر رحم اور مغفرت فرما۔

(۴): امر یہ ہے کہ اس دعا میں صلحا کا ہاتھ اٹھانا اور الحمد اور قل ہو اللہ شریف پڑھنا

(۵): اموات کے لیے جمعرات کو دعا مانگنا

اور جانب مخالف نے اپنی **اتباع السنۃ** میں صفحہ ۹ سے ۱۹ تک چند امور بیان کیے ہیں:

اول: دعاے برکت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ دعاے برکت کے وقت کھانا سامنے رکھنا مناسب ہے۔

اقول: یہ دونوں امر قابل رد نہیں ہیں کیوں کہ یہ امور جناب مولانا صاحب کا عین مدعا ہیں۔

سوم: فاتحہ مروجہ کا قیاس اگر دعاے برکت پر کیا جائے تو یہ قیاس چند وجوہ سے درست نہیں ہے۔

اقول: اس کا جواب یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب اپنی کتاب دعاے برکت میں ہرگز فاتحہ مروجہ ہند کو اور اس میں طعام سامنے رکھنے کو دعاے برکت پر قیاس نہیں کیا۔ البتہ جناب مولانا صاحب نے اپنی کتاب میں یہ بحث کی ہے کہ طعام کے حاضر ہونے کے وقت دعاے برکت میں اگر اموات کے لیے بھی دعا کی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور جانب مخالف کو لازم ہے کہ اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۱۷،۲۷ میں یہ مضمون حاشیہ پر دیکھے۔ کہ جس میں جناب مولوی صاحب کی کتاب دعاے برکت کے اس مضمون کی نقل موجود ہے۔

تنبیہ! جہاں جانب مخالف کے قول کا رد کرنا مناسب سمجھا گیا وہاں اس کا قول رد کیا۔ اگرچہ بعض جگہ پچھلے صفحوں کا رد پہلے اور پہلے صفحوں کا پیچھے کیا۔

سوال: جانب مخالف اپنی کتاب **اتباع السنۃ** کے صفحہ ۲۰ میں لکھتا ہے کہ:
ایصال ثواب بہیئت مروجہ ممنوع ہے۔ کیوں کہ یہ فعل ہنود کفار کے مشابہ ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے "من تشبه بقوم فهو منهم"

جواب: تشبہ بالکفار امر مذموم میں یا جس امر میں کہ مشابہت بکفار مقصود ہو اگرچہ وہ امر شرعاً ثابت بھی ہو تاہم ممنوع ہے۔ اور یہاں فاتحہ مروجہ میں دعا اور ایصال ثواب بالاتفاق امر مذموم نہیں ہے۔ جیسا کہ احادیث اور کتب فقہا سے ثابت ہو چکا۔ اور موذن وغیرہ کے سامنے طعام صدقہ رکھنا اقوال فقہا سے ثابت ہوا۔ اور اس سامنے رکھنے سے بموجب اقوال فقہا صدقہ جو عبادت مالی ہے صحیح ہوتا ہے۔ اور اس صدقہ کے بعد متصل صدقہ لینے والے کا دینے والوں کے لیے دعا مانگنا اور اس دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث احمد اور ابوداؤد اور نیز حدیث بخاری وغیرہ اور فقہا کی مفتی بہا روایات اور قواعد اصول سے ثابت ہوا تو یہ امور بالا مذموم نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی مسلمان کو اس دعا مانگنے سے مشابہت بکفار مقصود ہے۔

تشبہ بالکفار تفصیل طلب ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

اگر کسی فعل کو کوئی مسلمان کرے اور وہ فعل شارع نے کفار کے ساتھ مختص اور اس کو کفر اور شرک کی علامت قرار دیا ہو جیسے زنار یعنی جنیو پہنا اور بت کو سجدہ کرنا تو مسلمان بالاختیار ایسے فعل کرنے سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اگرچہ احکام شرع مانے اور ان پر عمل بھی کرے۔

چنانچہ "شرح عقائد نسفی" میں موجود ہے۔

"ان احد اصدق بجميع ما جاء به النبي عليه السلام وسلمه واقربه و عمل ومع ذالك شد الزنار بالاختيار او سجد للصنم بالا ختيار نجعله كافرالما ان النبي

علیہ السلام جعل ذالك علامة التکذیب والانکار"(۲۰۷)

اور اگر کوئی فعل شرعاً جائز ہو اور اس کو کفار بھی کرتے ہوں جیسے سبیل کا پانی پلانا اور چاند اور سورج گرہن کے وقت میں دعا اور خیرات کرنا کہ اہل ہنود بھی کرتے ہیں یا نماز میں ایسا فعل کرنا کہ شرعاً وہ فعل نماز میں درست ہو اور کفار بھی جیسے یہود و نصاری کرتے ہوں تو مسلمان ایسے فعل کے کرنے سے نہ مشرک ہوگا نہ گنہگار۔ ہاں اگر مسلمانوں کا ان فعل کے کرنے کے وقت دل سے یہ قصد و ارادہ ہو کہ ان افعال کے کرنے سے مشابہت بکفار حاصل کرے تو بیشک یہ امر مذموم اور ناجائز ہے۔ ورنہ جائز۔

چنانچہ "در مختار" میں مسطور ہے:

"فان التشبه بهم لا یکرہ فی کل شیئ... بل فی المذموم و فیما یقصد به التشبه"(۲۰۸) اور "طحطاوی" میں مسطور ہے:

"قال فی البحر ثم ان التشبه باهل الکتاب لا یکرہ فی کل شیء فانا نأکل و نشرب کما یفعلون انما الحرام التشبه فیما کان مذموما، او فی ما یقصد به التشبه"(۲۰۹)

---

(۲۰۷) شرح عقائد نسفی: ص۱۱۔

ترجمہ: یعنی کسی شخص نے نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کی لائی ہوئی تمام باتوں کی تصدیق کی اور اس کی کو تسلیم کیا اور اس کا اقرار کیا، اور عمل کیا باوجودیکہ زنار باندھی یا، بت کو بالاختیار سجدہ کیا تو ہم اسے کافر قرار دیں گے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو جھٹلانے اور انکار کرنے کی علامت قرار دیا ہے۔

(۲۰۸) در مختار، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیها، ۲/۳۸۴۔

ترجمہ: یعنی کفار سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے بلکہ بری چیز میں اور اس چیز میں جس میں ان سے مشابہت مقصود ہو۔

(۲۰۹) طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱/ ۲۶۵، باب ما یفسد الصلاۃ و ما یکرہ فیها۔

ترجمہ: بحر میں کہا کہ اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے، ہم کھاتے اور پیتے

اور ''شامی'' نے ''لایکرہ فی کل شیئ ''کی دلیل یہ لکھی ہے '' فانانأکل ونشرب کمایفعلون''**(۲۱۰)** اور نیز ''شامی ''میں مسطور ہے کہ:

''ہشام نے کہا کہ امام ابی یوسف کو لوہے کی کیل ٹکی ہوئی جوتی پہنے ہوئے میں نے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ان لوہے کی کیلوں میں کچھ مضائقہ دیکھتے ہو یا نہیں؟ امام نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ سفیان اور ثور بن یزید اس کو اس لئے مکروہ جانتے ہیں کہ اس میں رہبان کے ساتھ مشابہت ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بال دار جوتے پہنتے تھے حالانکہ یہ بھی رہبان کا لباس ہے۔ہشام کہتے ہیں کہ امام نے اپنے اس قول میں یہ اشارہ کیا کہ جس میں بندگان خدا کی اصلاح ہو وہ ممنوع نہیں ہے۔اس لیے کہ دور دراز کا سفر بغیر ان چیزوں کے مشکل ہے۔اور ہشام کہتے ہیں امام نے یہ بھی اشارہ کیا کہ بظاہر یہ مشابہت معلوم ہوتی ہے مگر قصد مشابہت نہیں۔ اور شامی کی عبارت یہ ہے۔

''قال ھشام: رایت علی ابی یوسف نعلین مخصوفین بمسامیر، فقلت اتری بھذاالحدید بأسا؟ قال :لا،قلت سفیان و ثور بن یزید کرھا ذالك لأن فیه تشبھا بالرھبان فقال: کان رسول صلی اللہ علیه وسلم یلبس النعال التی لھا شعر، وانھا من لباس الرھبان، فقد اشار الی أن صورة المشابھة فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر، فان الارض مما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیھا الا بھذاالنوع، وفیه اشارة ایضا الی ان المراد بالتشبه اصل الفعل ای صورة المشابھة بلا قصد''**(۲۱۱)**

پچھلے صفحہ کا حاشیہ:

ہیں جیسا کہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔ البتہ تشبہ انہی چیزیں میں حرام ہے جو بُری ہوں یاان میں جن میں ان سے تشبہ مقصود ہو۔

(۲۱۰) فتاوی شامی، ۲/ ۳۸۴، مطلب فی التشبه باھل الکتاب۔

(۲۱۱) فتاوی شامی، ۲/ ۳۸۴، مطلب فی التشبه باھل الکتاب۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ و مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ امر مذموم میں مطلقاً تشبہ ناجائز ہے۔ اور ایسے فعل میں کہ مذموم نہ ہو مگر اس میں بظاہر کفار کے ساتھ تشبہ معلوم ہوتا ہے تو ایسا فعل اگر بالقصد تشبہ بکفار کیا جائے تو ناجائز ہے۔ اور اگر قصد تشبہ نہ ہو اگرچہ بظاہر تشبہ معلوم ہو، تاہم جائز ہے۔ جیسے کہ سبیل اور چاند اور سورج گرہن میں بیان ہوا۔ اور اس سے پہلے ثابت ہوا کہ فاتحہ مروجہ کے سب امور قرآن اور حدیث اور فقہا کے مفتی بہا اقوال اور ضوابط اصول سے ثابت ہیں۔ اور یہاں کسی مسلمان کو تشبہ بالکفار کا قصد بھی نہیں ہے۔ بلکہ کفار کوئی ایسا فعل نہیں کرتے جیسا کہ موذن وغیرہ قل ہو اللہ اور الحمد شریف جن میں توحید اور تقدیس ہے پڑھتے ہیں، اور کفار کلمات شرک و وید پڑھتے ہیں۔

چنانچہ جانب مخالف اپنی **اتباع سنت** کے صفحہ ۳۲ پر نو مسلم مولوی عبید اللہ صاحب کی تحفۃ الہند سے نقل کرتا ہے:

"اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے۔ اور نیز یہاں کے لوگ فاتحہ مروجہ جائز اور مستحب جانتے ہیں نہ امر ضروری۔ اور جانب مخالف مولوی عبید اللہ صاحب کی تحفۃ الہند سے نقل کرتا ہے کہ: ہنود ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی تاریخ میں ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضروری جانتے ہیں۔

سوال: جانب مخالف نے فاتحہ کرنے والے مسلمانوں (کے اس فعل حسن) کی مشابہت محرمہ بکفار ہنود، ہنود کے اقوال سے ثابت کی ہے اور مشابہت بکفار حرام ہے۔

چنانچہ جانب مخالف اپنی **اتباع السنۃ** کے صفحہ ۳۲ میں لکھتا ہے:

"عادات سے مثال لاکر عبادات میں زیادتی جائز کرتے ہیں ایسے قیاس مع الفارق بے سروپا کرنا مؤلف جیسے نادان کا کام ہے۔ بالفرض اگر جائز بھی ہو تو بوجہ مشابہت ہنود حرام ہے۔ طعام سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعاے ایصال ثواب کرنا مشابہت ہنود کی ہے ہم نے خود اکثر ہنود سے تصدیق کی ہے۔"

جواب: حرمت مشابہت محرمہ بکفار امور دینیہ و شرعیہ میں سے ہے اور کافر کی

خبر سے امر شرعی دینی کی حرمت اور حلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ "عالمگیری" میں مسطور ہے:

"خبر الواحد یقبل فی الدیانات کالحل والحرمة والطهارة والنجاسة اذا كان مسلما" (۲۱۲)

اب یہ بتاؤ! کہ نادان اور شرع سے بے خبر کون ہے؟

سوال: جانب مخالف ہنود کے قول سے مؤذن وغیرہ کی مشابہت ہنود سے ثابت کرتا ہے نہ حرمت مشابہت کہ امور دینیہ میں سے ہے؟

جواب: چوں کہ جانب مخالف نے مؤذن وغیرہ کی مشابہت بکفار قول کفار سے ثابت کی ہے اور یہ یعنی قول بہ ثبوت مشابہت مسلمانان بکفار قول کفار سے ثابت کرنا متضمن ہے حرمت مشابہت کو۔ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر کفار کا قول معاملات میں امر دینی کو متضمن ہو جائے تو قابل اعتبار ہے۔ اور یہاں معاملات ہی نہیں تاکہ کفار کا قول ان میں امر دینی کا متضمن ہو کر قابل اعتبار ہو۔ چنانچہ "عالمگیری" میں مسطور ہے:

"ولا یقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة" (۲۱۳)

چوں کہ بموجب اقوال فقہا، عاملین فاتحہ مروجہ ہند کا تشبہ بکفار ثابت نہیں ہوا۔ لہٰذا جانب مخالف کا یہ قول جو کہ **اتباع السنة** کے صفحہ ۲۰ میں ہے لغو ہوا، کہ

---

(۲۱۲) فتاوی عالمگیری، باب فی العمل بخبر الواحد، ۵/۳۰۸۔

ترجمہ: یعنی دیانات جیسے حلال و حرام طہارت و نجاست میں خبر واحد مقبول ہے، جب کہ وہ مسلمان ہو۔ **(۲۱۳)** مرجع سابق۔

ترجمہ: یعنی دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ہے مگر جب کہ معاملات میں کافر کے قول کا قبول دیانات میں اس کے قول کے قبول کو شامل ہو تو اس وقت دیانات معاملات کے ضمن میں داخل ہو جائیں گے لہٰذا کافر کا قول دیانات میں ضرورتاً مقبول ہو گا۔

ایصال ثواب بھی بہ ہیئت مروجہ دوسری حدیث سے ممنوع ہے کیوں کہ یہ فعل ہنود کفار کے مشابہ ہے۔اور حدیث میں وارد ہے۔من تشبه بقوم فهومنهم۔ اور نیز جناب مولوی صاحب نے اس سوال کا جواب **کہ اموات کے لیے دعا کرنا اور اس میں الحمد اور قل ہو اللہ پڑھنا اور ان دونوں کو دعا کے وقت میں اعتقاداً فرض و واجب نہ سمجھنا اور عملاً بھی فرض و واجب کی مانند نہ کرنا کیسا ہے؟** یہ دیا ہے کہ حدیث ترمذی سے ثابت ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ ہو وہ مجلس ناقص ہے اور الحمد اور قل ہو اللہ بھی اللہ کا ذکر ہیں۔ لہٰذا الحمد اور قل ہو اللہ شریف اور درود پڑھنا مجلس دعا میں جائز ہے۔ اور جانب مخالف نے اس جواب پر اپنی **اتباع السنۃ** کے صفحہ ۲۰ میں اعتراض کیا ہے کہ

"بہر حال حدیث (یعنی حدیث ترمذی) سے فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثبوت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ لفظ ذکر اللہ مطلق کو خاص فاتحہ اور سورہ اخلاص پر حمل کرنا مطلق نص کو بلا دلیل مقید کرنا ہے۔ اور وہ از روئے اصول فقہ ہر گز جائز نہیں۔"

اقول: جانب مخالف نے اس اعتراض میں سخت غلطی کی اس لیے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا یہ چاہتا ہے کہ ایک لفظ کسی جگہ بلا قید وارد ہو اور دوسری جگہ اس کے ساتھ کوئی قید بڑھائی گئی ہو۔ چنانچہ قتل خطا میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ **(۲۱۴)** اور کفارہ ظہار میں مطلق غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ غلام مومن ہو یا کافر **(۲۱۵)**۔ تو ہم حنفیوں کے نزدیک جہاں مطلق غلام جیسے کفارہ قتل

---

(۲۱۴) "ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة" اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے۔ ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۹۲۔

(۲۱۵) "والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة"
اور وہ جو اپنی بیبیوں کو اپنی ماں کی جگہ کہیں پھر وہی کرنا چاہیں جس پر اتنی بری بات کہہ چکے تو ان پر لازم ہے ایک بردہ آزاد کرنا۔ ترجمہ کنز الایمان، پارہ ۲۸، سورہ مجادلۃ، آیت ۳۔

خطا میں ،وہاں مطلق ارادہ کرنا چاہیے خواہ مومن ہو یا کافر اور اس کو اپنے اطلاق پر چھوڑنا چاہیے۔ اور جہاں مقید یعنی مومن غلام وارد ہے جیسے کفارہ قتلِ خطا میں وہاں مومن کا ارادہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مطلق سے مقید مراد لینا بلاضرورت جائز نہیں **(۲۱۶)** اور یہاں ایسا نہیں۔ اس لیے کہ حدیث ترمذی میں ذکر خدا مطلق بلاقید وارد ہے۔ ہاں اگر کسی اور جگہ ذکر خدا مقید بالحمد و قل ہو اللہ شریف وارد ہوتا اور جناب مولوی صاحب اس مطلق ذکر سے جو حدیث ترمذی میں وارد ہے ذکر مقید بالحمد و قل ہو اللہ شریف ارادہ کرتے اور باقی ذکروں کو ناجائز بتاتے تو جانب مخالف کا یہ اعتراض "کہ حدیث ترمذی میں مطلق ذکر وارد ہے مطلق کو مقید کرنا بلاضرورت جائز نہیں ہے۔" صحیح ہوتا۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) اس لیے کہ جناب مولوی صاحب نے مطلق ذکر جو حدیث ترمذی میں وارد ہے اپنے اطلاق پر چھوڑ کر یہ فرمایا کہ الحمد اور قل ہو اللہ اس مطلق ذکر کے افراد سے ہیں جیسے اس مطلق ذکر خدا کے اور افراد اس موقع میں جائز ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف بھی جائز ہیں۔ چنانچہ مولانا صاحب کی عبارت یہ ہے **"بروایت "ترمذی" وارد ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود نہ ہو وہ مجلس ناقص ہے۔(۲۱۷)**

---

(۲۱۶) الف: اصول الشاشی مع الحاشیۃ، ص ۱۳، فصل فی المطلق والمقید۔

ب: التلویح، فصل ذکر المطلق والمقید، ۱۷۹۔

(۲۱۷) سنن ترمذی، باب ماجاء فی القوم یجلسون ولایذکرون اللہ، ۲/ ۱۷۵۔

حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال ماجلس قوم مجلسالم يذكروا الله فيه ولم يصلوا على نبيهم الاكان عليهم ترة.. الخ۔ درج ذیل کتابوں میں بھی اسی مفہوم کی احادیث قدرے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل ہیں۔

المستدرک علی الصحیحین: ۱/ ۵۳۷، کتاب الدعاء والتکبیر..... مسند احمد: ۲/ ۴۴۶۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ۸/ ۱۸۱، رقم ۷۷۶۷۔ السنن البیہقی الکبریٰ: ۳/ ۲۱۰، باب مایستدل بہ علی وجوب ذکر...،

اور قل ہو اللہ اور الحمد شریف میں بھی اللہ کا ذکر ہے۔ لہٰذا ان دونوں کو مجلس دعاے اموات میں مع درود پڑھنا مستحب ہے۔"

اب اس عبارت میں لفظ (بھی) سے صاف ثابت ہوا کہ مولانا صاحب نے ذکر سے فقط الحمد اور قل ہو اللہ مراد نہیں لی ہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ جیسے مطلق ذکر کے اور افراد ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف بھی ہے۔ اور جیسے اور افراد ذکر اس موقع میں جائز ہیں ویسے ہی الحمد اور قل ہو اللہ شریف بھی جائز ہیں۔ فقط الحمد اور قل ہو اللہ کی تخصیص مراد نہیں ہے۔ ہم اسی لیے تو کہتے ہیں کہ کتاب "دعاے برکت" کسی حرف شناس دوکان دار سے پڑھ لو! جانب مخالف اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۰ میں یہ لکھتا ہے کہ:

"صحابہ نے کسی امر ثابت از فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادتی نہیں کی اور نہ کسی عبادت غیر منقول کو اپنی طرف سے ایجاد کیا۔ اور نہ کسی عبادت منقولہ میں کوئی تغیر کیا تاکہ بدعت ہو۔"

اقول: جانب مخالف کا یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ ابن عمر نے ایسی عبادت پر زیادتی کی ہے جو کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہیں کی روایت سے منقول ہے۔ چنانچہ ترمذی نے بروایت قتیبہ ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے احرام باندھ کر یہ تلبیہ پڑھا۔

"اللھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك"

اور راوی کہتا ہے کہ ابن عمر نے کہا کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تلبیہ ہے۔ اور ابن عمر اپنی طرف سے اس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلبیہ کے اخیر میں یہ زیادہ کرتے ہیں:

"لبیك لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك لبیك والرغبی الیك والعمل" **(۲۱۸)**

اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح لکھا ہے۔ **(۲۱۹)** یہاں ابن عمر نے اپنی طرف سے

---

(۲۱۸) سنن ترمذی، باب ماجاء فی التلبیة، جلد ۱/۱۶۹۔ **(۲۱۹)** مرجع سابق۔

عبادت منقولہ پر زیادتی کی۔ اور نیز بروایت بخاری سائب بن یزید سے وارد ہے کہ: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق اکبر اور عمر فاروق کے زمانہ میں ممبر کے پاس امام کے سامنے کی اذان تھی اور باہر کی اذان حضرت عثمان نے جاری کی۔ **(۲۲۰)**

یہاں حضرت عثمان نے بھی عبادت منقولہ پر زیادتی کو رواج دیا۔ اور نیز نماز تراویح کی وہ کیفیت جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی عمر فاروق کے زمانہ میں نہ رہی۔ **(۲۲۱)** جیسا کہ صحاح کی کتابوں سے ثابت ہے۔ یہاں حضرت عمر فاروق نے عبادت منقولہ میں اپنی طرف سے تغیر کیا۔ اور نیز شارب خمر کی حد کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے زمانہ اور عمر فاروق کی ابتدائی خلافت میں اسی (۸۰) درے معین نہ تھی بلکہ حضرت عمر کے مشورہ لینے کے بعد حضرت علی کے قیاس کی وجہ سے شارب خمر کے لیے اسی (۸۰) درے معین ہوئے۔ وہ قیاس یہ ہے کہ بروایت امام

---

(۲۲۰) صحیح بخاری، ج ۱ / ۱۲۴، باب الاذان یوم الجمعۃ۔

حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعۃ اوّلہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فلما کان عثمان رضی اللہ عنہ و کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء"

(۲۲۱) سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں تراویح با جماعت پابندی سے نہ ادا کی گئی بلکہ سرکار نے گھر میں پڑھ لینے کا حکم دیا۔ لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں نماز تراویح با جماعت کا اہتمام کیا گیا، تو گویا تراویح کی جو کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھی، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ رہی۔ صحیح بخاری، ۱ / ۲۶۹، باب فضل من قام رمضان، میں حضرت عائشہ اور حضرت عبد الرحمن بن عبد القاری سے مروی احادیث سے یہی مفہوم مستفاد ہے، فلیرجع۔ نیز "سنن بیہقی: باب قیام شہر رمضان، ۱ / ۴۹۱" و، عمدۃ القاری لملا علی قاری، ۸ / ۲۵۶، بھی ملاحظہ ہو۔

مالک ثور بن زید سے وارد ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ شارب خمر کو اس لیے ۸۰ درے مارنے چاہیے کہ جس وقت وہ شراب پیتا ہے مست ہو جاتا ہے۔ اور جس وقت مست ہو جاتا ہے بیہودہ گوئی کرتا ہے۔ اور جس وقت بیہودہ گوئی کرتا ہے بہتان لگاتا ہے۔

اور وہ عبارت یہ ہے:

"فانه اذا شرب سکر واذا سکر هذی واذا هذی افتری"۔**(۲۲۲)**

اب جانب مخالف کو ایک اور دقت در پیش ہوئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قیاس شرطی منطقی ہے اور بہ ہیئت شکل اول مفصول النتائج کے وارد ہے۔ اور اس شکل کے بموجب انہوں نے حکم شرعی جاری کیا اور صحابہ کرام نے حضرت علی کے اس قیاس پر عمل کیا۔ چنانچہ "معانی الآثار للطحاوی" میں مسطور ہے کہ: صحابہ کرام نے حضرت علی کے اس قیاس کے سبب شارب خمر کے لیے اسی ۸۰ درے حد مقرر کی اور وہ عبارت یہ ہے:

"وانهم جعلوه بعده ثمانین بالتمثیل الذی قد ذکرناه عنه فی هذا الباب"**(۲۲۳)**

اب اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنے قیاس کے سبب شارب خمر کی اس حد سے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، مغائر حد مقرر کی۔ اور "ہدایہ" میں مسطور ہے:

"وحد الخمر والسکر فی الحر ثمانون سوطا لاجماع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه"**(۲۲۴)**

---

(۲۲۲) المؤطا للامام مالک، ص ۳۵۷، باب ماجاء فی الحد فی الخمر۔

(۲۲۳) معانی الآثار للطحاوی، باب حد الخمر، ۲/ ۸۷۔

ترجمہ: یعنی صحابہ کرام نے اس کے بعد اسی کوڑے حد مقرر کی، اس تمثیل کی وجہ سے سے جس کا ذکر ہم نے اسی باب میں کیا۔

(۲۲۴) ہدایہ، باب حد الشرب، ۱/ ۳۵۴۔

ترجمہ: یعنی شراب اور نشہ کی حد آزاد کے لیے اسی کوڑے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے۔

اور فتح القدیر میں اس عبارت ہدایہ کے ذیل میں جو مسطور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اسی (۸۰) درے جن پر اجماع ہے یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قیاس "فانہ اذا شرب سکر الخ" سے ثابت ہے۔**(۲۲۵)** اب فاتحہ شریفہ مقدسہ مروجہ ہند تو در کنار بلکہ اس فاتحہ مقدسہ کی وجہ سے شکل منطقی بھی صحابہ کرام سے منقول ثابت ہوئی۔ مگر جانب مخالف اپنی راے کا متبع ہے تو کیا تعجب ہے! کہ ایسی اشکال منطقیہ کا استعمال شرک اور بدعت بتا کر یہ کہے کہ ایسی اشکال منطقیہ کا استعمال نہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور نہ خیر القرون میں تھا اور نہ ایسی اشکال قرآن اور حدیث میں وارد ہے۔ لہٰذا یہ بھی فاتحہ مقدسہ مروجہ ہند کی طرح بدعت ہے۔ اور جانب مخالف کو ابن عمر کا قول اور شیخ عبد الحق صاحب کا قول بھی مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ ابن عمر کے قول میں صریح منع وارد ہے۔ اور فاتحہ مروجہ میں اگر منع ہو تو بتاؤ۔ اور نیز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"علیکم بسنتی و سسنته الخلفاء الراشدین المهدین"**(۲۲۶)** اب اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاے راشدین کی سنت کو اپنی سنت پر عطف کیا۔ اور معطوف، معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہیے تو اس حدیث سے بھی خلفاے راشدین کی سنت کی مغائرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مفہوم

---

(۲۲۵) فتح القدیر ۵/۸۳، باب حد الشرب، عربی عبارت اس طرح ہے:

"استدل المصنف علی تعین الثمانین باجماع الصحابة.... ان عمر استشار فی الخمر یشیر بها الرجل فقال له علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نری ان نجلده ثمانین فانه اذا شرب و اذا سکر هذی و اذا هذی افتری وعلی المفتری ثمانون ثم اتفقوا علی ثمانین الخ"

(۲۲۶) الف: سنن ابو داؤد، باب فی لزوم السنة، ۲/۶۳۵۔

ب: سنن ابن ماجہ، باب اتباع سنة الخلفاء، ج۱/۵۔

ج: صحیح ابن حبان، ۱/۱۱۔

ہوتی ہے لیکن ہم پر فرمان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بموجب خلفاے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت سے کسی قدر مغائر بھی ہو۔ اور جانب مخالف کی اس عبارت سے کہ:

"نہ صحابہ کرام نے کسی عبادت منقولہ میں تغیر کیا تاکہ بدعت ہو" یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا تغیر بھی عبادت منقولہ میں بدعت ہے۔ اگرچہ خلفاے راشدین سے ہوں "نعوذ باالله من ذالك" ہمارے نزدیک خلفاے راشدین اور باقی صحابہ کرام کے افعال قابل اتباع ہیں۔ علی ھذا القیاس، اقوال علماے مجتہدین۔

اور نیز جانب مخالف اپنی کتاب اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۵ میں لکھتا ہے کہ:

"وجہ ممانعت محض تخصیص جمعرات نہیں ہے بلکہ چند امور ہیں کہ منجملہ ان کے ایک تخصیص بھی ہے۔ اور فرادی فرادی امور کے جواز یا ثبوت سے مجموع کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حکم مجموعہ کا غیر ہوتا ہے حکم اجزا کے۔"

اقول: فریقین کو یہ امر مسلم ہے کہ فاتحہ شریف مروجہ ہند اور اس کے جمیع اجزاے مقدسہ مثل "الحمد اور قل ہو اللہ شریف" اور دعا اور صدقہ ہر ایک تنہا تنہا جائز اور عبادت ہے۔ اگر جانب مخالف یہ کہتا ہے کہ ان امور (یعنی عبادت بدنی و مالی) کے ملانے سے حرمت اور عدم جواز لازم آتا ہے اس لیے کہ یہ ملانا اور ہیئت مجموعہ کسی سے منقول نہیں ہے۔ اور عبادت کے عدم جواز کے لیے عدم نقل کافی ہے۔ تو یہ قول جانب مخالف کا بالکل غلط خلاف حدیث وضوابط فقہا ہے۔ اس لیے کہ فاتحہ مقدسہ مروجہ اہل ہند کے جمیع اجزا بالاتفاق عبادات ہیں۔ خواہ مالی ہوں یا بدنی۔ اور عبادات مالیہ و بدنیہ کے آپس میں جمع کرنے کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ بروایت بخاری و مسلم حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قال رسول الله من اصبح منكم اليوم صائما قال ابو بكر انا قال فمن تبع منكم اليوم جنازة قال ابو بكر انا قال فمن اطعم منكم اليوم مسكينا قال ابو بكر انا

قال فمن عاد منکم الیوم مریضا قال ابو بکر انا فقال رسول صلے اللہ علیہ وسلم ما اجتمعن فی امرئ الا دخل الجنة"(۲۲۷)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آج کے دن تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ اور کون جنازہ کے ساتھ گیا؟ اور کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ اور کس نے بیمار کی عیادت کی؟ تو صدیق اکبر نے ان سب سوالات کے جواب میں عرض کیا: کہ میں نے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی شخص میں یہ امور جمع نہیں ہوتے ہیں مگر وہ جنت میں داخل ہو گا۔"

اس حدیث سے ہر عبادت کا ان عبادات مذکورہ حدیث میں سے روزہ کے ساتھ جمع کرنا ثابت ہوا۔ اور روزہ عبادت بدنی ہے کہ صبح سے شام تک رہتا ہے۔ تو اس عبادت

---

(۲۲۷) الف: صحیح مسلم، ۱/۳۳۰، باب من فضل ضم الی الصدقة غیرھا من انواع البر۔

ب: صحیح ابن خزیمہ، ۸/۱۰، باب ذکر ایجاب اللہ عزوجل الجنة للصائم۔

ج: السنن الکبریٰ للبیہقی، ۴/۱۸۹، باب فضل من اصبح صائما

د: صحیح بخاری میں یہ حدیث پاک ہمیں نظر نہ آئی۔ ہاں البتہ صحیح بخاری میں ایسی احادیث کثرت سے موجود ہیں جن سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعا یعنی عبادات بدنیہ اور مالیہ کا اجتماع ثابت ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں:

"ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر قال تطعم الطعام و تقرء السلام علی من عرفت و من لم تعرف"

(ترجمہ) ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کون سا کام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کھانا کھلاؤ! اور سلام کرو! اس کو جسے پہچانو اور جسے نہ پہچانو۔ صحیح بخاری، ۱/۶، باب اطعام الطعام من الاسلام۔

حدیث مذکور میں کھانا کھلانا عبادت مالی ہے، اور سلام کرنا عبادت بدنی ہے۔ تو اس حدیث پاک سے بدنی اور مالی عبادات کا اجتماع ثابت ہو گیا۔

بدنی یعنی روزہ کا عبادت مالی کے ساتھ کہ مسکین کا کھلانا ہے اور باقی عبادات بدنیہ کے ساتھ جمع کرنا ثابت ہوا۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ہیئت اجتماعی عبادات کو جو صدیق اکبر سے واقع ہوئی موجب دخول جنت فرمایا نہ کہ شرک وبدعت۔ اور تخصیص کا جواب قول آئندہ میں آتا ہے۔ نیز فقہا کے ضابطہ سے یہ ثابت ہے کہ جس چیز کے اجزا تنہا تنہا جائز ہوں اس کی صرف ہیئت اجتماعیہ اور آپس میں ملانا عدم جواز میں موثر نہیں ہو سکتا۔ (یعنی جیسے یہ امور تنہا تنہا جائز ہیں ویسے ہی ملا کر بھی جائز رہیں گے) چنانچہ فقہا نے فرادی فرادی دانوں کے استعمال کا جواز ذکر الٰہی کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم کی حدیث **(۲۲۸)** سے ثابت کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے فرمایا:

---

(۲۲۸) الف: سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التسبیح بالحصیٰ، ۱/ ۲۱۰،

ب: سنن ترمذی، باب فی دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/ ۱۹۷۔

ج: صحیح ابن حبان، باب الاذکار، ۴/ ۱۶۶۔

د: المستدرک للحاکم، کتاب الدعاء۔ ۱/ ۷۳۲۔

ہم یہاں صرف ''سنن ابو داؤد'' کی حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں:

''عن عائشۃ بنت سعد بن ابی وقاص عن ابیھا انه دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امرأۃ وبین یدیھا نوی اوحصی تسبح به فقال اخبرك بما ھو ایسر علیك من ھٰذا او افضل فقال سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء الخ،۔

(ترجمہ) حضرت سعد بن ابی وقاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے۔ اس عورت کے پاس کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، حضور نے فرمایا: میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو اس سے سہل ہو، یا فرمایا: اس سے افضل ہو۔ پس کہا: سبحان اللہ عدد ما خلق الخ (پڑھا کر)

اس حدیث پاک میں عورت نے کنکر، یا گٹھلیوں پر تسبیح پڑھی اور سرکار نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ذکر الٰہی کی مقدار معلوم کرنے کے لیے کنکر، تسبیح یا چنے

کہ تسبیح کا استعمال ذکر الٰہی کی مقدار معلوم کرنے کے لیے جائز ہے اس لیے کہ تسبیح

پچھلے صفحہ کا حاشیہ: وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔ نیز گمراہ فرقوں سے وابستہ لوگ سوم وغیرہ میں چنے پڑھنے کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں، انہیں اس حدیث پاک سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اور اگر یہ حدیث پاک ان کو کافی نہ لگے تو اپنے شیخ الحدیث مولانا زکریا کی کتاب فضائل اعمال دیکھ لینا چاہیے جس میں انہوں نے اس حدیث پاک کو بیان کیا ہے، اور اس کے ساتھ چند احادیث کو تحریر کیا ہے۔ اور اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ "ذکر کے لئے کنکر دانے وغیرہ کو استعمال میں لانا جائز ہے اور کھلے ہوئے دانے اور پروئے ہوئے دھاگے میں کوئی فرق نہیں (مخالفین کے شیخ الحدیث کے اس قول سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعا یعنی جس چیز کے اجزا تنہا تنہا جائز ہوں اس کی صرف ہیئت اجتماعیہ اورآپس میں ملانا عدم جواز میں موئثر نہیں ہو سکتا، واضح طور پر ثابت ہے۔) لہٰذا جو اسے بدعت کہتے ہیں ان کا قول قابل اعتماد نہیں۔ مولوی زکریا کاندھلوی کی بیان کردہ کچھ احادیث جو بالکل صاف سوم وغیرہ میں ہمارے چنے پڑھنے کے جواز کو بھی ثابت کرتیں ہیں درج ذیل ہیں:

"ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں کھجور کی گھٹلیاں یا کنکریاں بھری رہتی، ان پر تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو ایک باندی تھی جو ان سب کو پھر اس میں بھر دیتی اور حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس رکھ دیتی.... حضرت ابو درداء (رضی اللہ عنہ) سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عجوہ کھجور کی گھٹلیاں جمع رہتیں صبح کی نماز پڑھ کر اس تھیلی کو لے کر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی ہوتی بیٹھے پڑھتے رہتے۔ حضرت ابو صفیہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان کے سامنے ایک چمڑہ بچھا رہتا اس پر کنکریاں پڑی رہتیں اور صبح سے زوال کے وقت تک ان کو پڑھتے رہتے۔ جب زوال کا وقت ہوتا تو وہ چمڑا اٹھالیا جاتا۔ وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ بچھا دیا جاتا اور شام تک ان کو پڑھتے رہتے۔ [فضائل اعمال، (باب) فضائل ذکر، ص ۱۶۴، ۱۶۵۔]

تسبیح اور پراگندہ دانوں میں اتنا فرق ہے کہ تسبیح میں بعض دانے بعض کے ساتھ سوت میں ملائے جاتے ہیں اور پراگندہ دانوں کو سوت میں ملانا نہیں ہوتا۔ اور اتنا فرق ایسے امور میں کہ تنہا تنہا جائز ہوں بعدہ آپس میں ملائے جائیں عدم جواز میں مؤثر نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ "طحطاوی" میں مسطور ہے:

"(قوله لا باس باتخاذ المسبحة) لانه عليه السلام دخل على امرأة و بين يديها نوى او حصى تسبح فيه فقال اخبرك بما هو ايسر عليك من هذا وافضل الخ فلم ينهها عن ذالك وانما ارشدها الى ما هو افضل وايسر ولو كان مكروها لبين لها ذالك والمسبحة لا تزيد على الحصى الا بالضم وجعله فى خيط ومثل ذالك لا اثرله فى المنع الاان يترتب عليه رياء او سمعة" **(۲۲۹)**

اور "شامی" میں مسطور ہے:

" فلم ينهها عن ذالك وانما ارشدها الى ما هو ايسر وافضل ولو كان مكروها

---

(۲۲۹) طحطاوی علی الدر المختار: باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، جلد ا ص ۴۳۳۔

ترجمہ: یعنی صاحب در مختار کا قول کہ تسبیح بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس تشریف لے گئے جن کے سامنے گٹھلیاں یا کنکریاں تھیں ان پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تمہیں ایسی بات بتاؤں جو تمہارے لیے اس سے آسان اور افضل ہو.... الخ۔ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ اس سے افضل و آسان طریقہ کی ہدایت فرمائی۔ اگر عورت کا یہ فعل مکروہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرور اس کو بیان کیا ہوتا۔ اور تسبیح کنکریوں پر زیادہ نہیں ہے لیکن ملانے سے (یعنی بعض کنکریوں کو بعض کے ساتھ سوت میں ملانے سے) اور کنکریوں کو دھاگے میں پرونے سے اور اتنے فرق کی ممانعت میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ لیکن یہ فعل دکھاوے اور شہرت کے لیے نہ ہو۔

لبین لها ذالك ولا یزید السبحة علی مضمون هذ الحدیث الا بضم النوی فی خیط و مثل ذالك لا یظهر تاثیره فی المنع"**(۲۳۰)**

اب ان اقوال فقہا سے یہ ثابت ہوا کہ صرف جائز امور کے جمع ہونے کی وجہ سے حرمت لازم نہیں آتی ہے۔ اب یہ دلیل جانب مخالف کی جو کہ **اتباع السنۃ** کے صفحہ ۲۷ میں ہے جس میں امور مذکورہ کی حرمت بایں طور بیان کی ہے کہ:

"یہ امور منقول نہیں ہیں اور فقہا عدم فعل یا عدم نقل کو دلیل لاتے ہیں واسطے کراہیت و بدعت ہونے امر غیر منقول کے" باطل ہوئی۔"

ہاں اگر فقہا نے کسی جگہ ایسی ہیئت اجتماعی کہ جس کے اجزا جائز ہوں کسی دلیل سے ناجائز ثابت کی ہو یا اس کے عدم جواز پر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وغیر ہم سے عدم منقول ہونا دلیل لائے ہوں تو ہم بھی اُس ہیئت کو فقہا وغیر ہم کی دلیل کے سبب ناجائز جانیں گے۔

اور "طحطاوی اور شامی" کے ضابطہ **(۲۳۱)** سے اس کو مستثنیٰ کہیں گے۔ اور یہ ضابطہ بہ نسبت باقی ہیآت اجتماعیہ کے کہ کسی فقیہ مجتہد نے ان کی حرمت پر کسی قسم کی دلیل سے تصریح نہ کی ہو، باقی اور معمول بہا جانیں گے۔ اور صورت متنازع فیہا یعنی فاتحہ مروجہ مقدسہ ہند کی حرمت پر کسی فقیہ مجتہد نے تصریح نہیں کی، تاکہ حدیث مسلم کے

---

(۲۳۰) فتاویٰ شامی، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، ۲/۴۲۱۔

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس کام سے (یعنی گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھنے سے) نہیں روکا۔ بلکہ اس کو اس سے آسان اور افضل طریقہ کی ہدایت دی۔ اگر یہ کام مکروہ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور اس عورت سے اس کو بیان فرماتے۔ دھاگے میں گٹھلیاں ملانے کے سوا تسبیح سے اس حدیث کے مضمون پر کوئی زیادتی نہیں ہے۔ اور اتنے فرق کی تاثیر ممنوع ہونے میں ظاہر نہیں ہے۔

(۲۳۱) یعنی صرف جائز امور کے جمع ہونے کی وجہ سے حرمت لازم نہیں آتی ہے۔

حکم **(۲۳۲)** اور طحطاوی اور شامی کے قاعدہ **(۲۳۳)** سے اس کو مستثنیٰ جانیں اگر ہو تو بتاؤ! کہ آپ بھی عند اللہ ماجور ہوں۔ ورنہ امور مستحبہ کہ سنت اور ضوابط فقہا سے ثابت ہوں خدا سے خوف کر وان کو بدعت نہ بتاؤ، تاکہ بدعتیوں کے زمرہ میں داخل نہ ہو۔

اور جانب مخالف نے صفحہ ۳۵۔ **اتباع السنۃ** میں لکھا ہے کہ:

"علما تخصیص جمعرات کو منع فرماتے ہیں۔ اور حدیث سے فضیلت جمعرات ثابت ہوتی ہے۔ فضیلت و تخصیص میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آنحضرت نے فضائل لیلۃ الجمعہ ارشاد فرمائی لیکن تخصیص کو منع فرمایا:

"لاتختصوالیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیا لی ولا تختصویوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الخ" (۲۳۴) اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"جو آیت و حدیث مؤلف نے لکھی ہیں وہاں تاخیر مفید ہے، مضر نہیں۔ اور ایصال ثواب طعام وغیرہ میں مضر ہے، کیوں کہ غرض ایصال سے یہ ہے کہ میّت کو نفع پہنچے یا تخفیف عذاب ہو۔ اس کے لیے جتنی عجلت ہو بہتر ہے اور تاخیر میں میت کا نقصان ہے۔"

اقول: اس کا جواب مولانا صاحب کے سوال سے بخوبی معلوم ہوتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ جانب مخالف نے اپنی **اتباع سنت** کے حاشیہ صفحہ ۲۷ پر نقل کیا ہے۔

سوال: یہاں یہ طریقہ ہے کہ جمعرات کے لیے لوگ انتظار کرتے ہیں جس وقت کہ جمعرات آتی ہے اس وقت صلحا و فقرا سے اپنے اموات کے لیے دعا منگواتے ہیں

---

(۲۳۲) یعنی عبادات مالیہ اور بدنیہ کا اجتماع حرام نہیں۔

(۲۳۳) یعنی صرف جائز امور کے جمع ہونے کی وجہ سے حرمت لازم نہیں آتی ہے۔

(۲۳۴) الف: صحیح مسلم، باب کراھۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم الخ، ۱/۳۶۱،

ب: سنن البیہقی الکبریٰ، بدساب النہی عن تخصیص یوم الجمعۃ بالصوم، ۲/۴۹۔

ترجمہ: یعنی راتوں میں جمعہ کی رات کو نماز کے لیے مخصوص مت کرو اور نہ دنوں میں جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے خاص کرو۔

اور جمعرات سے پہلے اور بعد بھی یہ عمل کرتے ہیں اور جائز بھی سمجھتے ہیں۔ آیا بایں ہمہ عقائد و اعمال جمعرات کے لیے انتظار کرنا جائز ہے یا بدعت؟

اب اس سوال سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ جن کو مولانا صاحب نے قرآن و حدیث سے جواب دیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جمعرات کے قبل اور بعد دعاے اموات کو جائز جانتے اور کرتے بھی ہیں تو تخصیص نہ رہی۔ اس لیے کہ تخصیص اس وقت متحقق ہوتی کہ جمعرات کے قبل اور بعد نہ دعا کرتے نہ جائز جانتے۔ چنانچہ ''ترمذی'' میں بروایت حضرت ابو ہریرہ وارد ہے:

''لا یصوم احدکم یوم الجمعة الا ان یصوم قبله او یصوم بعده'' **(۲۳۵)**

اور ''ترمذی'' اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:

''والعمل علی هذا عند اهل العلم یکرهون ان یختص یوم الجمعة بصیام لا یصوم قبله ولا بعده'' **(۲۳۶)** اور نیز ''ترمذی'' میں مسطور ہے:

''وقد استحب قوم من اهل العلم صیام یوم الجمعة وانما یکره ان یصوم یوم الجمعة لا یصوم قبله ولا بعده'' **(۲۳۷)**

اور نیز اموات کو نفع پہنچانے میں دیر بھی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اموات کے

---

(۲۳۵) سنن ترمذی، باب ما جاء فی کراهیة صوم یوم الجمعة، ۱/۱۵۷۔

ترجمہ: یعنی تم میں سے کوئی شخص (صرف) جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے بلکہ اس سے پہلے یا بعد (کے دن میں بھی) روزہ رکھے۔ **(۲۳۶)** مرجع سابق:

ترجمہ: یعنی اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ خاص کر صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ آگے پیچھے ملا کر رکھنے کو مکروہ قرار نہیں دیتے۔

(۲۳۷) مرجع سابق:۔ **ترجمہ:** یعنی اہل علم کی ایک جماعت نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ صرف جمعہ کا روزہ رکھنا اور اس کے ساتھ اس سے پہلے یا بعد میں روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے۔

لیے جمعرات سے قبل بھی دعا کرتے ہیں ہاں اگر جمعرات سے قبل دعا اور ایصال ثواب نہ کرتے تو اموات کے نفع پہنچانے میں دیر ہوتی۔ اور یہاں ایصال ثواب قبل جمعہ بھی متحقق ہوتا ہے۔ جانب مخالف اپنی اتباع السنۃ کے صفحہ ۳۶ میں جناب مولانا صاحب قامع بدعت حامی سنت کی نسبت لکھتا ہے:

"میں مؤلف سے دریافت کرتاہوں کہ سرور کائنات یا صحابہ و تابعین وغیرہ سے کہیں ثابت ہے کہ ایصال ثواب طعام بدیں ہیئت کہ طعام سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر "الحمد و قل ھواللہ" پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا ہو۔ اگر ثابت ہو تو بتاؤ کس حدیث میں مروی ہے۔"

اقول: ان امور کا جواز میں نے قرآن شریف اور احادیث نبویہ اور کتب اصول فقہ اور علم کلام اور فقہ اور تفسیر اور شروح حدیث سے بخوبی ثابت کیا۔ جس کا جی چاہے اس کتاب کی فہرست دیکھ لے کہ ان مسائل میں سے ہر مسئلہ کا نشان وہاں بقید صفحہ وسطر موجود ہے۔ مگر زیادہ اطمینان کے لیے جناب فخر المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کرتاہوں۔ انہوں نے تحریر فرمایا:

"و بعد از سہ روز اگر توبہ ازوے درست نشد اور ابایدکشت وباید بر تافت و در مقابر مسلمین اور ادفن نباید کرد و بآئین مسلمین اور ا تکفین و تجہیز نباید کرد و برای او فاتحہ و درود و صدقات نباید فرستاد۔"(۲۳۸)

مرتد یعنی برگشتہ از دین اسلام تین دن قید کرنے کے بعد اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے اور اس کے لیے فاتحہ اور درود اور صدقات نہیں ہونا چاہیے۔

اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ، درود اور صدقات کی شرعاً ممانعت مرتد کے لیے ہے نہ مسلمان کے لیے۔ چنانچہ مشہور ہے (مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود) یعنی جن کے لیے فاتحہ اور درود کا شرعاً حکم نہیں ہے وہ مرتد میت ہے نہ مسلمان میت۔ تو یہ مثل شاہ

---

(۲۳۸) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، آیت:۱۰۲۔ ویعلمون السحر..... الخ، کے تحت، جلد ۱، صفحہ ۳۶۶۔ مطبع مجتبائی دہلی۔

صاحب کے قول کے موافق ہوئے۔ اب میں جانب مخالف سے پوچھتا ہوں کہ جو امور مرتد کے لیے شرعاناجائز ہیں وہ امور اموات مسلمین کے لیے کیوں ناجائز بتاتے ہو؟

اور ایسے حکم میں کیوں اموات مسلمین کے لیے کوشش کرتے ہو کہ شرعاًمرتد کے لیے مقرر ہیں۔ اور نیز شاہ صاحب کی تفسیر سے ثابت ہے کہ فاتحہ اور درود اور تلاوت قرآن اور استغفار بنابر ضوابط معتزلہ اور خوارج مسلمان گناہ کبیرہ کرنے والے کے لیے بلا توبہ مرے نہ ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ ان دونوں فرقوں کے نزدیک ایسا شخص حکماً کافر ہے۔ تو شاہ صاحب نے ان کے قواعد کے بموجب فرمایا:

"پس اورادر مقابر مسلمین دفن نباید کرد و برو نماز جنازہ نباید خواند و برائے او صدقات وفاتحہ و درود و تلاوت قرآن و استغفار نباید کرد کہ ایں امور مشروط بایمان اند" و اذافات الشرط فات المشروط"(۲۳۹)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ فاتحہ، صدقات، درود، تلاوت قرآن اور استغفار کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمان کے لیے کہ توبہ نہ کرے معتزلہ اور خوارج کے مذہب کے بموجب ناجائز ہے، نہ اہل سنت کے نزدیک۔ اس لیے کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان اگر گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرے تو اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے فاتحہ، درود و استغفار، صدقات اور خیرات کرنالازم ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب اپنی تفسیر سورہ بقرہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:

---

(۲۳۹) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، ھم فیھا خٰلدون الایۃ ۸۲۔ کے تحت، جلد ا، صفحہ ۳۱۱، مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ: یعنی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہیے اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے، اس کے لیے صدقات، فاتحہ، درود، تلاوت قرآن اور استغفار نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ یہ ساری باتیں ایمان کے ساتھ مشروط ہیں۔ اور جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط بھی فوت ہے۔

"شخص فرمان الٰہی را بجانیارد و مرتکب کبیرہ یا مصر بر صغیرہ ماند بے آنکہ تدارکش بہ توبہ نماید و ایں قسم شخص نزد اہلسنت مسلمان ست مگر آنکہ گناہ گار ست امید نجات او و قبول شفاعت در حق او و امکان عفو از گناہ او باید داشت و با او مناکحت و توارث جاری باید داشت و بعد از مردن او بر آئین مسلمانان غسل باید داد و نماز باید خواند و در مقابر مسلمین دفن باید کرد۔ ولعنت بر او و تبرا از و و بغض او از جہت دین حرام ست۔ بلکہ امداد او با ستغفار و فاتحہ و درود و صدقات و خیرات لازم باید شمرد"(۲۴۰)

اگر جانب مخالف کہے کہ فاتحہ اور استغفار وغیرہا علاحدہ علاحدہ مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے ہم بھی جائز جانتے ہیں۔ مگر اس ہیئت اجتماعی کو شرک وبدعت کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جناب شاہ صاحب نے ان امور بالا کو باہم ایک دوسرے پر واؤ کے ذریعہ عطف کیا ہے اور واؤ کے عطف میں جمع جائز ہے جیسا کہ گذرا۔ اور جہاں چند امور کا جمع کرنا ناجائز ہو ان کو آپس میں واؤ کے ساتھ عطف کرنا زبان عربی میں ممنوع ہے۔

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ کہو!

---

(۲۴۰) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی، سورۃ البقرۃ، ومایضل بہ الا الفسقین الایۃ۔ ۲۶۔ کے تحت، جلد ۱، صفحہ ۱۴۲، مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ: یعنی جو شخص فرمان الٰہی کی بجاآوری نہ کرے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہ صغیرہ پر مصر رہے اور توبہ سے اس کی تلافی بھی نہ کرے تو ایسا شخص اہل سنت کے نزدیک مسلمان ہے البتہ گنہگار ہے۔ اس کی نجات اور اس کے حق میں شفاعت کی قبولیت اور اس کے گناہ کی بخشش کے امکان کی امید رکھنی چاہیے۔ اور اس کے ساتھ نکاح اور وراثت کا معاملہ جاری رکھا جائے۔ اور اس کے انتقال کے بعد مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق غسل دینا چاہیے، اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہیے، اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے۔ اور اس پر لعنت و تبرا اور اس سے بغض شرعاً حرام ہے۔ بلکہ استغفار، فاتحہ، درود، صدقات اور خیرات کے ذریعہ اس کی مدد کو ضروری سمجھنا چاہیے۔

" ما شاء الله و شاء فلان (لما فیه من التسویة بین الله وبین عباده فان الوا وللجمع والاشتراك۔ مرقات ۱۲) لیکن کہو! ما شاء الله ثم شاء فلان"**(۲۴۱)**

اور ایسے ہی فارسی زبان میں اگر کوئی کہے:

"ہر چہ خدا خواست وفلاں خواہد خواست خواہد شد"**(۲۴۲)**

ممنوع ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں چند امور کا جمع ہونا ممنوع ہو تو ان کا آپس میں عطف کرنا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ممنوع ہے۔ اور نیز شاہ صاحب کی اگر فاتحہ سے جو ان کی عبارت میں وارد ہے فاتحہ شریف مرسومہ ہند مراد ہو تو ہمارا عین مدعا ہے۔ اور اگر فاتحہ سے مطلق دعا مراد ہو تاہم ہمارے مدعا لیے مضر نہیں کہ شاہ صاحب الحمد کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ بزبان بندگان وارد ہے۔ یعنی بندوں کو چاہیے کہ مناجات اور دعا کے وقت اسی سورۃ کو اس طور پر جیسے کہ اللہ نے نازل فرمائی ہے بغیر تغیر و تبدل پڑھیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے۔

"ایں سورہ برزبان بندکان نزول یافتہ یعنی بندہ را باید کہ در حالت مناجات ودعا ایں طور بگوید۔"(۲۴۳)

---

(۲۴۱) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب باب الاسامی، ۹/۲۸]

پوری عبارت اس طرح ہے:"لما فیه من التسویة بین الله وبین عباده لان الواو للجمع والاشتراك" اس عبارت کے تعلق سے ص ۲۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲۴۲) یہ فارسی عبارت اصل میں ایسی ہی پائی یقیناً کتابت کی غلطی ہے عبارت اس طرح ہونا چاہیے "ہر چہ خدا خواست وفلاں خواست" یعنی جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔

(۲۴۳) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی سورۃ الفاتحۃ، الحمد لله رب العلمین، الایۃ۔ ا۔ کے تحت، جلد ا، صفحہ ۴، مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ: یعنی یہ سورہ بندوں کی زبان پر نازل کی گئی ہے یعنی بندہ کو چاہیے کہ مناجات اور دعا میں اسی طرح کہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے۔

اب شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت ہوا کہ دعا کے وقت الحمد شریف پڑھنا خلاف مرضی الٰہی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی کہ اپنی دعا اور مناجات اس طور پر کریں۔ اور اگر کوئی کہے کہ شاہ صاحب کی اس عبارت سے دعا میں فقط سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ قل ہو اللہ کا۔ اور یہاں دونوں ملا کر دعا میں پڑھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ الحمد اور قل ہو اللہ شریف کا آپس میں ملانا دعا کے وقت میں آداب دعا کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان دونوں کو دعا کے وقت ملا کر پڑھنا عین دعا ہے۔ اس لیے کہ ان میں اللہ کا ذکر اور ثنا اور توحید اور تنزیہ ہے۔ اور فتح القدیر وغیرہ سے ثابت ہوا کہ یہ امور دعا ہیں۔ اور نیز حدیث بخاری و مسلم میں دفع حزن کے لیے توحید اور ذکر اور ثنائے خدا، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اور شیخ عبد الحق صاحب علیہ الرحمہ نے اس حدیث کے تحت فرمایا: کہ یہ امور دعا ہیں اور وہ عبارت یہ ہے:

"ان الدعاء قد یکون صریحا کما تقول اللھم اعطنی و قد یکون تعریضا کما اذا اثنی علی اللہ تعالی فان الثناء علی الکریم سوال" **(۲۴۴)**

سوال، الحمد اور قل ھو اللہ شریف میں بھی ذکر، ثنا، توحید اور تنزیہ خدائے پاک کی ہے۔ اور جناب شاہ عبد الحق صاحب کی بعض عبارتوں سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ دعا سے قبل بھی خدائے پاک کا ذکر مستحب ہے لہٰذا مؤذن وغیرہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ان دونوں کو دعا سے قبل پڑھے۔

سوال: جانب مخالف اپنی کتاب اتباع السنۃ کے صفحہ ۲۷ میں یہ تحریر کرتا ہے کہ

"فعل یہود یا دیگر کفار عبادات میں یا ہیئت و خصوصیات عبادات میں ناجائز و قابل ترک ہو جاتا ہے اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہو۔ اب اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی

---

(۲۴۴) لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح: ج ۵ ص ۲۱۱۔ کتاب الدعوات۔

ترجمہ: دعا کبھی صراحتاً ہوتی ہے جیسے تم کہو! اے اللہ مجھے عطا کر۔ اور کبھی کنایۃً ہوتی ہے کہ اللہ کی ثنا بیان کی جائے کہ کریم کی تعریف سوال ہی کے زمرے میں شامل ہے۔

فعل شرع سے ثابت ہو مگر کفار بھی ایسا فعل کرتے ہوں تو وہ فعل بوجہ کرنے کفار کے ناجائز ہے۔"

جواب: جانب مخالف بالکل دینیات سے بے بہرہ اوراپنی ہواے نفس کا پابند ہے۔ اور جائز کو ناجائز بتاتا ہے۔ اس لیے کہ فاتحہ مقدسہ مرسومہ ہند میں الحمد، استغفار، درود شریف، صدقات اور خیرات اموات کے لیے ہوتے ہیں اور بموجب تفسیر شاہ صاحب وغیرہ کے یہ امور اموات کے لیے مشروع ہیں، اور مشروع چیزوں میں بلا قصد مشابہت بکفار ممنوع نہیں ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر مطلق مشابہت کفار گو در افعال مرضیہ الٰہی باشد موجب حرمت می شد لازم می آمد کہ حج و عمرہ وختنہ وعقیقہ وصوم عاشوراء وقربانی وتعظیم اشہر حرم وتعظیم ہدی وقلائدودیگربقایائے ملت ابراہیمی کہ درکفارآں وقت رائج بود یانمازکسوف وخسوف وصدقہ دادن دران وقت وآزاد کردن بردہ وضیافت مہمانان ومہیاداشتن آب بر سرر اہ ہاے براے مسافران کہ معمول ہنود ست نیز حرام می گشت"(۲۴۵)

اور نیز جانب مخالف براے ایصال ثواب اموات فاتحہ مرسومہ میں فاتحہ و درود

---

(۲۴۵) تفسیر فتح العزیز، المعروف بتفسیر عزیزی فارسی سورۃ البقرۃ، جلد ا، صفحہ ۵۷۲، ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم الایۃ۔ ۱۵۸۔ کے تحت، مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ: یعنی اگر کفار سے مطلقاً مشابہت گو کہ اللہ کی مرضی کے مطابق افعال میں ہو، موجب حرمت قرار دی جائے تو لازم آئے گا کہ حج، عمرہ، ختنہ، عقیقہ، عاشورہ کا روزہ، قربانی، حرمت والے مہینوں کی تعظیم، قربانی حج کے جانوراوراس کے قلائد کی تعظیم، ملت ابراہیمی کی دیگر یادگاریں کہ اس وقت کفار میں رائج تھیں، سورج اور چاند گرہن نماز پڑھنااوراس وقت صدقہ دینا، غلام آزاد کرنا، مہمانوں کی ضیافت اور راہ گیروں کے لیے راستے میں پانی کا انتظام کرنا کہ ہنود کا معمول ہے، یہ سب حرام ٹھہرے۔

کو منع کرتا ہے۔ اور کتاب کے اخیر میں الحمد اور درود شریف کو "اغوا" کے بعد پڑھا ہے۔
چنانچہ ان کی کتاب کی اخیر سطر یہ ہے:
"آخر اغوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم"
مخفی نہ رہے کہ میں نے یہ اعتراض اُس ضابطہ مہملہ کے بموجب کیا ہے جو جانب مخالف کا اپنی کتاب **کلمۃ التقوی** میں دستور العمل ہے۔ اور اُس کتاب کو ایسے ہی اعتراضوں سے اخیر تک بھر دیا ہے، اور جب کچھ بن نہ آیا تو عوام الناس کے بہکانے کے لیے یہ لکھا کہ مؤلف **ذخیرۃ العقبیٰ** نے اس آیت اور اس حدیث مین اتنی غلطیاں اور تحریفیں کیں۔ اور وہ اس سے بے خبر ہے کہ اگر ایسی غلطی تحریف ہوتی تو ہر گز کلام اللہ میں ایسی غلطی واقع نہ ہوتی اس لیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے "انا لہٗ لحفظون"
اور نیز قاعدہ یہ ہے کہ سوال کے موافق جواب ہونا چاہیے۔ اور جناب مولوی صاحب نے اپنی کتاب **"ذخیرۃ العقبیٰ"(۲۴۶)** میں ہر سوال کا ایسا جواب دیا ہے کہ جانب مخالف اگر تا دم اخیر غلطاں و پیچاں رہے تو اس سے جواب ممکن نہیں ہے۔ اور جانب مخالف سے جب کچھ جواب بن نہ پڑا تو اس نے چند اعتراض اپنی کتاب میں لکھے۔ چنانچہ وہ یہ ہے کہ چھاپہ خانہ والوں کی غلطی سے عوام الناس کے سامنے اپنی بے علمی کی عار اور لاجواب ہونے کی شرم مٹانے لگا۔ اور اس چھاپہ خانہ والوں کی غلطی کو **ذخیرۃ العقبیٰ کا** جواب تصور کیا۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ عوام الناس ایسی گیدڑ بھپکیوں سے دھوکا کھائیں، اس لیے کہ جاہل ان پڑھ بھی یہ جانتا ہے کہ چھاپہ خانہ والوں سے کلام اللہ میں بھی غلطی ہوتی ہے کیا ایسی غلطی سے اللہ تبارک تعالیٰ کے کمال میں کچھ نقصان اور کلام الٰہی کے اعجاز

(۲۴۶) پورا نام "ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب میلاد مصطفیٰ" مصنفہ: حضرت العلام مولانا محمد گل خاں کابلی جلال آبادی ثم مرادآبادی۔ اشاعت اول ۱۸۹۳ء کو مطبع گلزار احمدی مرادآباد سے ہوئی۔ اور دوسری مرتبہ یہ کتاب مطبع ریاض الہند آگرہ سے شائع ہوئی۔
اور تیسری مرتبہ ۱۹۲۰ء میں ماہنامہ السواد الاعظم میں قسط وار اس کتاب کو شائع کیا گیا۔

میں خلل اندازی ہو سکتی ہے ؎

آنکھیں اگر مندی ہیں تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

یا یہ اعتراض کیا ہے کہ مجلس میلاد شریف میں بھی فاسق فاجر جمع ہوتے ہیں۔

اب میں جانب مخالف سے پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ جیسے مجلس میلاد شریف میں بھی جمع ہوتے ہیں، ویسے ہی آج کل کے مولویوں کے وعظ میں بھی جمع ہوتے ہیں، کیا ان کے جمع ہونے سے نماز عیدین اور جمعہ اور صلوۃ جنازہ اور استسقا اور مولویوں کا وعظ، شرک وبدعت ہو گا؟ یا یہ اعتراض کیا ہے کہ مولود خواں بطمع روٹی میلاد شریف بیان کرتا ہے، یا اشعار نعتیہ راگ راگنیوں سے گاتا ہے، یا موضوع روایتیں بیان کرتا ہے۔ اور مولود خواں حضرات کا یہ جواب ہے کہ ہم بیان میلاد شریف حسبۃ للہ کرتے ہیں۔ اگر کسی نے ہماری ضیافت کی تو ہم اس کی دعوت رد نہیں کرتے جیسے اور واعظوں کا حال ہے یوں ہی ہمارا بھی ہے۔ بلکہ یہ طعن اور اعتراض ہندوستان کے جمیع مولویوں پر وارد ہو سکتا ہے کہ مدرسوں میں بلا طمع تنخواہ دینیات بھی نہیں پڑھاتے ہیں۔

غرض کہ اس اعتراض میں ایسے لوگ بھی داخل ہوں گے کہ جو تمام ہندوستان کے پیشوا و مقتدا کہلاتے ہیں۔ یہ تو کلمۃ التقوی کی اجمالی کیفیت ہے جو میں نے بیان کی، اور تفصیلی مدلل بدلائل شرعیہ چھاپ کر ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ ناظرین کروں گا، اور اتباع سنت کا حال تو اسی **فیضان رحمت** سے بخوبی معلوم ہو گا۔

تمت

بالخیر

کتاب کی قدیم وجدید اشاعت کے حوالے سے تاریخی قطعات بزبان عربی، اردو، فارسی

تاریخ کتاب ہٰذا، از نتائج طبع قامع بدعت ناثر وناظم عربی وفارسی مولانا محمد نور عالم صاحب موحد پنجابی سلمہ

سال المصنف التاریخ منی　　اخترت لہٗ الحساب قلت
اخراج عدد الحروف من ذا　　ہٰذا نعم الکتاب قلت

۱۳۲۰ھ

ولہ

نعیم الدین ید بیضا نمودہ　　کہ تالیفش ملائک را سبق شد
پے الش سر دشمن گرفتہ　　رقم کن اے قلم اثبات حق شد

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد شاعر یکتا فصیح بے ہمتا منشی فرید احمد صاحب وفاؔ مرادآبادی

دلیلوں کا مخزن ہے فیضانِ رحمت　　حدیثوں کا ہر جا ہے اس میں حوالہ
وفاؔ کیوں نہ شمس و قمر داغ کھائیں　　یہ برہان قاطع ہے روشن رسالہ

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع زاد مہندس دوراں یکتائے زماں منشی ایزد بخش صاحب نیرنگؔ مرادآبادی

ہوئی طبع نیرنگ فیضانِ رحمت　　کہ بہر دلِ دشمناں تیر ہے یہ
لکھی اس کی تاریخ منقوط میں نے　　گلوئے مخالف کو شمشیر ہے یہ

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ شاعر بے بدل ناثر بے مثل منشی علی حُسین صاحب صہباؔ مرادآبادی

طبیعت کیا ہے مولانا نعیم الدین نے پائی ۔ کہ لکھا ہے قلم برداشتہ فیضانِ رحمت کو
عدو کا سر اُڑا کر یوں لکھو تاریخ اے صہباؔ ۔ چھپائے منفعل ہو کر عدو اب اپنی صورت کو

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع اوّل از پیر طریقت پروفیسر

حضرت علامہ مولانا مفتی سیّد محمد ضیاء الدین شمسی طہرانی مدظلہ العالی

سابق استاذ شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

زہے فیضانِ رحمت اے شمسی ۔ قول صدرالافاضل است سدید
ساعقہ بار شد کتابِ لطیف ۔ بہر بد مذہبانِ عصرِ جدید
بہر تاریخ طبع اوّلِ آں ۔ ہاتف غیب گفت ضربِ شدید

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ طبع ثانی

داد کے قابل ہیں مولانا محمد ذوالفقار ۔ جن کی کاوش سے کِھلا فیضانِ رحمت کا چمن
باعثِ لطف اہل سنّت کے لئے ہے یہ کتاب ۔ وجہِ قہر اب تک ہیں جس سے نجد کے دشت ودمن
طبع ثانی کے لئے شمسی بگوشِ ہوش سُن ۔ ہے صدائے ہاتفِ غیبی فروغِ انجمن

۱۴۳۰ھ

مآخذومراجع

القرآن المجید	سنن ترمذی	فتح الباری
اشعۃ اللمعات	سنن نسائی	فیض القدیر
اصول الشاشی مع الحاشیہ	سنن بیہقی کبریٰ	فتح القدیر مع الکفایۃ
البحر الرائق	سراج بہشتی زیور	فتاوی قاضی خاں
تفسیر فتح العزیز (فارسی)	شرح عقائد نسفی	فتاوی عالمگیری
تفسیر موضح القرآن لشاہ عبد القادر	شعب الایمان للبیہقی	فتاوی شامی
التلویح	شرح النووی علی مسلم	فتاوی رشیدیہ
تکملہ بحر الرائق	شرح تہذیب	فواتح الرحموت
الترغیب والترہیب	الشہاب الثاقب	الفجر الصادق
تقریب التہذیب	صحیح بخاری	فضائل اعمال
تاریخ نجد وحجاز	صحیح مسلم	کنز الایمان ترجمہ قرآن
تقویۃ الایمان	صحیح ابن حبان	کنز العمال
الجامع الصغیر للسیوطی	صحیح ابن خزیمہ	کنز الدقائق
حسامی	طحطاوی علی الدر المختار	کتاب التحقیق غایۃ التحقیق
الدرر المشتہرہ فی الاحادیث المشتہرۃ	طحطاوی علی مراقی الفلاح	گلستان سعدی
الدر المختار	عمدۃ القاری لملا علی قاری	لمعات التنقیح
ذخیرۃ العقبیٰ فی استحباب میلاد مصطفی	العرف الشذی شرح ترمذی	مسند احمد
سنن ابو داؤد	غایۃ الاوطار	مسند الفردوس
مسند الشہاب	المستدرک للحاکم	مقدمہ مشکوٰۃ للشیخ عبد الحق
مجمع الزوائد	المؤطا للامام مالک	مظاہر حق
المعجم الکبیر للطبرانی	معانی الآثار للطحاوی	منار، بحوالہ نور الانوار
المعجم الاوسط للطبرانی	المعتصر من المختصر من مشکل الآثار	نور الانوار
المعجم الصغیر للطبرانی	مرقاۃ المفاتیح	ہدایہ

فہرست فارغین طلبہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد یوپی

درجہ تخصص (سال دوم)۔2019-20

نمبر شمار	رول نمبر	نام طالب علم	ولدیت	مکمل پتہ
1	4209	محمد صدام حسین	محمد نعیم	موضع کولگاماڈاکخانہ تلک پور تھانہ سلطان گنج ضلع بھاگلپور بہار
2	4223	محمد عظیم اختر	سلیم اختر	محلہ مدینہ مسجد قصبہ بھوجپور تھانہ وڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد یوپی
3	4228	جنید اختر	محمد سعید اختر	محلہ مدینہ مسجد قصبہ بھوجپور۔۔۔۔
4	4383	سید ارشد حسین	سید امجد حسین	موضع فتحپور شیخاواٹی ضلع سیکر راجستھان
5	4720	نعیم الدین	ننو حسین	موضع پنڈت نگلہ ڈاکخانہ سیتاپوری تھانہ کٹگھر ضلع مرادآباد یوپی
6	4733	محمد فیض عالم	محمد عالمگیر	محلہ بھوڑے کا چوراہہ اصالت پورہ ڈاکخانہ منڈی چوک مرادآباد شہر یوپی
7	4734	محمد راحل اختر	تاج الدین	موضع دھسمل تھانہ انگر ضلع پورنیہ بہار
8	4928	محمد شاہجہاں	زاہد الرحمن	موضع ٹکرام گچھ ڈاکخانہ سوجالی تھانہ اسلامپور ضلع اتر دیناجپور بنگال
9	5168	محمد اشرف رضا	محمد بائل	موضع گواگاؤں ڈاکخانہ بٹنہ تھانہ بارسوئی ضلع کٹیہار بہار
10	5319	محمد عثمان	علی مرتضیٰ	موضع دولپوری ڈاکخانہ مانپور تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی

11	5367	محمد اویس رضا	شفیق احمد	محلہ سلطان پالیہ ڈاکخانہ و تھانہ آرٹی نگر بنگلور کرناٹک
12	5416	مقبول احمد	احسان علی	موضع بیسرا مجھرادلپورہ ڈاکخانہ مڈھولی تھانہ پٹوائی ضلع رامپور یوپی
13	5417	سید فراز	سید انظار احمد	محلہ کھیڑا کالونی ڈاکخانہ و تھانہ رودرپور ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ
14	5467	شعیب اختر	رفیق عالم	موضع گوال پوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال
15	5696	محمد فرقان احمد	عبد الغفار	موضع وڈاکخانہ بامنگاواں تھانہ سارٹھ ضلع دیوگھر جھارکھنڈ
16	5708	محمد انجم رضا	توحید عالم	موضع بھیلا کھواڈاکخانہ دھسمل ہاٹ تھانہ انگڑ ضلع پورنیہ بہار
17	5761	محمد معروف	محمد یعقوب	موضع نگلیہ عاقل تھانہ عظیم نگر رامپور
18	5773	محمد عارف	ارشاد حسین	موضع کانکر کھیڑا ڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
19	5818	محمد سالم	غلام حسین	موضع رستم نگر سہنسپور تھانہ بلاری ضلع مرادآباد یوپی
20	5820	محمد مزمل خاں	عتیق الرحمن	موضع ککرالہ ڈاکخانہ خاص تھانہ اعلیٰ پور ضلع بدایوں یوپی
21	5832	محمد سلمان	محمد علی	موضع اٹے پور ڈاکخانہ ادماوالا تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
22	5837	یاسین	لطافت علی	موضع بجڑاڈاکخانہ کنورپور نانکار تھانہ سوار ضلع رامپور یوپی

23	5850	محمد امانت	محمد شہادت	موضع راجپور ڈاکخانہ نادھئی شوگر مل تھانہ جسپور ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ
24	5857	گلزار احمد ڈار	محمد یوسف ڈار	موضع چھانہ نوپورہ ڈاکخانہ و تھانہ وتر ہیل ضلع بڈگام جموں و کشمیر
25	5869	محمد تسلیم	محمد ظہیر	موضع منڈیاملک ڈاکخانہ مانپور تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی
26	5871	محمد تعارف خان	غلام خاں	موضع کنڈردھان ڈاکخانہ گوٹہ تھانہ چسانہ ضلع ریاسی جموں و کشمیر
27	5886	محمد صدام	انوار حسین	موضع بروالا خاص ڈاکخانہ و تھانہ مونڈا پانڈے ضلع مرادآباد یوپی
28	5898	محمد شعیب	چھدا حسین	موضع سیکری ڈاکخانہ حسین پور حمیر تھانہ کندرکی ضلع مرادآباد یوپی
29	5901	مظفر علی	جلیل احمد	موضع پرسوپورہ ڈاکخانہ دڑھیال تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
30	5919	غلام مرتضیٰ	محب علی	موضع نعمت پور اکروٹیہ ڈاکخانہ و تھانہ مونڈاپانڈے ضلع مرادآباد یوپی
31	5972	محمد شاہنواز	محمد سہراب	موضع کھوٹیہ ڈاکخانہ امور تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
32	5985	محمد سلیمان	محمد صابر	محلہ کلکتہ ڈاکخانہ خاص تھانہ کوتوالی رامپور یوپی
33	5987	تہذیب عالم	محفوظ عالم	موضع جویاہریانہ ضلع امروہہ یوپی
34	6036	عبدالجبار	شکور احمد	خانپور باند ضلع سنبھل یوپی
35	6037	محمد انتخاب عالم	محمد عمر	موضع بھوجپور پیپل سانہ مرادآباد یوپی

موضع کٹرہ ضلع اٹاوہ یوپی	شمشاد حسین	احمد علی	6038	36
موضع باقر پور اٹائن ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی	محمد احمد	محمد فیضان	6047	37
ڈگو گچھ ضلع پورنیہ بہار	امام الدین	غلام مرتضیٰ	6050	38
دادری گوتم بودھ نگر یوپی	شریف احمد	محمد راشد	6065	39
موضع کانکر کھیڑا سلطانپور مرادآباد یوپی	محمد اصغر	محمد راحت	6071	40
موضع دڑھیال تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی	جلیس احمد	ارشاد حسین	6077	41
محلہ ٹھاکران بلاری ضلع مرادآباد یوپی	عبد السلام	محمد اعظم	6082	42
موضع دیوی پوری خیم پور، رامپور یوپی	تبارک علی	محمد خالد	6085	43
میاں کالونی کرولہ آزاد نگر مرادآباد یوپی	شیخ ظہیر	محمد رئیس احمد	6091	44
موضع متھوراپور ڈاکخانہ آسجہ موبیہ تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار	محمد شفیق	محمد شاداب	6094	45
موضع گودھی تھانہ کھجوریا رامپور یوپی	حسین احمد	ذیشان علی	7006	46
گلی پورہ نکت پوری ضلع مرادآباد یوپی	شفیع احمد	محمد عبید	7036	47
موضع بابن کھیڑا حسنپور امروہہ یوپی	زاہد	صبغت خاں	7037	48
موضع بھینسیہ جوالاپور ضلع مرادآباد یوپی	لطیف احمد	محمد اویس رضا	7016	49
موضع اکا بھیکن پور ڈاکخانہ ڈینگر پور تھانہ میناٹھیر ضلع مرادآباد یوپی	نبیہ حسن	محمد ذیشان	7012	50
موضع منہر اڈاکخانہ جرول قصبہ تھانہ جرول روڈ ضلع بہرائچ یوپی	قمر الدین	صلاح الدین	7178	51
موضع سونکپور ڈاکخانہ سمودیہ تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی	طاہر علی	عبد المصطفیٰ	7152	52

فہرست فارغین طلبہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مرادآباد یوپی

فضیلت سال دوم۔20-2019

نمبر شمار	رول نمبر	نام طالب علم	ولدیت	مکمل پتہ
1	4412	محمد داؤد	ابو بکر	B,462 جہانگیر پوری نئی دہلی ۳۳
2	4415	محمد انور علی	سراج احمد	E7/289 A سنگم وہار ہمدرد نگر ساؤتھ دہلی
3	4515	نواز احمد	بابو احمد	موضع بہیڑی ڈاکخانہ مانپور تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی
4	4629	نثار احمد	منظور احمد	موضع سلونیاں ڈاکخانہ و تھانہ منڈی ضلع پونچھ جموں وکشمیر
5	4694	محمد اواب	ولی محمد	موضع مالیکہ ڈاکخانہ پنگواتھانہ پنہانہ ضلع نوح میوات ہریانہ
6	4805	محمد حسین	محمد اسلم	موضع طاہر پور ڈاکخانہ گریر تھانہ بیناٹھیر ضلع مرادآباد یوپی
7	4924	محمد معصوم	نہال اختر	موضع بیدول ڈاکخانہ و تھانہ بلرامپور ضلع کٹیہار بہار
8	5209	آصف رضا	مناعالم	موضع جعفر گنج ڈاکخانہ، تھانہ و ضلع جہان آباد بہار
9	5283	علیم الحق	دبیر الدین	موضع اتر بلرامپور ڈاکخانہ کھونیاتھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
10	5285	محمد تصویر	بشیر احمد	محلہ نور اللہ کندرکی ضلع مرادآباد یوپی

11	5383	محمود عالم	خورشید علی	موضع گانگن والی مینا ٹھیر ڈاکخانہ مرادآباد تھانہ مجھولہ ضلع مرادآباد یوپی
12	5391	محمد اویس	غلام علی	موضع گانگن والی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
13	5492	محمد حارث رضا	محمد ایوب	موضع ہر کھیلی ڈاکخانہ محل باڑی تھانہ ڈگرواضلع پورنیہ بہار
14	5510	ذوالفقار علی	تسلیم	موضع باجیت پور ڈاکخانہ باریول تھانہ ایٹاہار ضلع اتر دیناجپور بنگال
15	5525	رمضان علی	تبیل الدین	موضع ملک بستی دیگھل گاؤں ڈاکخانہ بیتنا تھانہ کرندیگھی ضلع اتر دیناجپور بنگال
16	5564	صدام حسین	احمد نبیہ	موضع بھکاری پور ڈاکخانہ پیلی بھیت تھانہ سنگڑی ضلع پیلی بھیت یوپی
17	5579	محمد سلطان رضا	محمد بشیر احمد	موضع رسولہ ڈاکخانہ کرنپور تھانہ شاہ کنڈ ضلع بھاگلپور بہار
18	5718	مشرف رضا	محمد شمیم اختر	موضع دھرم باڑی ڈاکخانہ ہفنیہ تھانہ روٹا ضلع پورنیہ بہار
19	5722	منامشتاق	ثمر الحق	موضع ہجلہ ڈاکخانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
20	5724	محمد مقیس رضا	محمد رقیب	موضع سوری گاؤں ڈاکخانہ و تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
21	5748	محمد اشفاق شاہ	آسین شاہ	موضع چکھڑی بن ڈاکخانہ پلیرہ تھانہ لورن ضلع پونچھ جموں وکشمیر
22	5825	ارشاد	کلن	موضع ملک دھوبی والی ڈاکخانہ سرکڑہ خاص تھانہ مونڈہ پانڈے مرادآباد یوپی

23	5830	شیخ صدام	تمرل شیخ	موضع کلاپاڑہ ڈاکخانہ بھگدوارن تھانہ کرندیگھی ضلع اتردیناجپور بنگال
24	5836	محمد طالب حسین	شمس الحق	موضع نارائن ٹولہ ڈاکخانہ کانتور تھانہ رائے گنج ضلع اتردیناجپور بنگال
25	5839	غلام احمد رضا	محمد محبوب	موضع سوری گاؤں ڈاکخانہ و تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
26	5844	تحمل	بابل	موضع بنگاؤں ڈاکخانہ گواگاؤں تھانہ گوال پوکھر ضلع اتردیناجپور بنگال
27	5859	محمد امجد علی	محمد عبد اللطیف	موضع انتر اڈاکخانہ بندول تھانہ رائے گنج ضلع اتردیناجپور بنگال
28	5875	محمد ہاشم	عبد العزیز	موضع وڈاکخانہ بہیڑی برہمنان تھانہ بھوجپور ضلع مرادآباد یوپی
29	5877	محمد ضیاء فیضی	محمد مجر الحق	موضع گوالڈوب ڈاکخانہ بھیبھرا تھانہ چکلیہ ضلع اتردیناجپور بنگال
30	5881	محمد طالب	واحد علی	موضع ویرپور تھانہ مونڈاپانڈے ضلع مرادآباد یوپی
31	5905	محمد یونس	محمد فرید	وارڈ نمبر ۲ پنڈی تحصیل منڈی ضلع پونچھ جموں و کشمیر
32	5980	محمد نثار	احسن ظفر	موضع پہرٹیا تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
33	6061	ناہد	قمر الہدیٰ	موضع بھوانی پور ڈاکخانہ مہیش پور تھانہ کرندیگھی ضلع اتردیناجپور بنگال
34	6074	محمد تطہیر	طیب علی	موضع سعدی پور بہتا تھانہ بائسی پورنیہ بہار

35	6084	محمد حامد الحق	رمضان علی	موضع پایاماڑی ڈاکخانہ و تھانہ ہلدی باڑی ضلع کوچ بہار، بنگال
36	6090	ساجد رضا	علی شیر	موضع بھگت پور تھانہ خاص مراد آباد یوپی
37	7000	سجاد علی	قاری عبد النبی	موضع رانجن ڈاکخانہ خاص تحصیل بھلوال ضلع جموں، جموں و کشمیر
38	7004	حیدر حسین	لیاقت حسین	موضع شیر پور کلاں تھانہ پورنپور ضلع پیلی بھیت یوپی
39	7007	بشارت علی	محمد اکبر	وارڈ نمبر ۲ پنڈی ڈاکخانہ و تھانہ منڈی ضلع پونچھ جموں و کشمیر
40	7044	محمد یوسف	محمد رزاق	موضع لورن ڈاکخانہ و تھانہ خاص ضلع پونچھ جموں و کشمیر
41	7093	محمد انظار عالم	محمد الیف الحق	موضع پچھ گاچھی ڈاکخانہ سالماری تھانہ بلیابلون ضلع کٹیہار بہار
42	7094	محمد منصور عالم	محمد نور الہدی	موضع ٹیٹیہا ڈاکخانہ دھمل تھانہ انگڑھ ضلع پورنیہ بہار
43	7096	محمد نعمان رضا	شاہد حسین	موضع بانسڈول ڈاکخانہ گانگر تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
44	7101	تاج الدین پی	محمد پی	پرپن ہاؤس موضع مورکن کنڈ ڈاکخانہ پتیریم تھانہ ایڈونا ضلع مالاپورم کیرالا
45	7102	محمد ارشد	مجید	موضع چکپاڑ تھانہ ولیم ضلع کالی کٹ کیرالا
46	7103	محمد عاشق پی	حمزہ	موضع مورکناڈ ڈاکخانہ ونگاڑ تھانہ کولتور ضلع مالاپورم کیرالا

47	7104	طیب ٹی ایس	سید و محمد ٹی ایچ	موضع چونڈی ڈاکخانہ ایر متلا تھانہ آلوا ضلع ارناکولم کیرالا
48	7105	انور السادات	علی مصلیار	موضع ترکاکراڈاکخانہ واڈاگوڈ تھانہ ترکاکرا ضلع ارناکولم کیرالا
49	7107	محمد سعید این وی	صدیق این وی	موضع ولی کن ڈاکخانہ خاص تھانہ پرپانگاڑی ضلع مالاپورم کیرالا
50	7108	عبد الحکیم این ایم	محمد این ایم	موضع وینگراڈاخانہ کوریاڈ تھانہ وینگرا ضلع مالاپورم کیرالا
51	7109	معین الدین عابد	عباس بی ایم	موضع دیلمباڑی تھانہ آدور ضلع کاسرگوڈ کیرالا
52	7111	محمود علی اے کے	ابراہیم فیضی	موضع پڑیناڑاتراڈاکخانہ واراںٹاتھانہ پڑیناڑا ترا ضلع ویناڑ کیرالا
53	7112	نظام الدین	مصطفیٰ کے ایم	موضع مانند اواڑی ضلع ویناڑ کیرالا
54	7113	علی ایم ایچ	حمید ایم ایم	موضع پڑوناناڈاکخانہ چمن ترٹاتھانہ کونم کولم ضلع ترشور کیرالا
55	7114	محمد نذیر کونکوڈ	عبد الشریف کونکوڈ	موضع وایاکاڈ ڈاکخانہ آکوڈ تھانہ وایاکاڈ ضلع مالاپورم کیرالا
56	7115	راشد کویا تھنگل	کنجی کویا تھنگل	موضع ککاڑ ڈاکخانہ کارشیری تھانہ مکم ضلع کالی کٹ کیرالا
57	7116	محمد نوجیش	صدیق کے	موضع چالیم تھانہ فروق ضلع کالی کٹ کیرالا
58	7117	محمد آصف سی پی	اشرف	موضع پرپناغاڑی ڈاکخانہ و تھانہ خاص ضلع مالاپورم کیرالا

59	7118	منور ایم	محمد کنہی	موضع پرووانا ڈاکخانہ چاپر اپڈو تھانہ تھالی پرمب ضلع کنور کیرالا
60	7119	نعمان اے کے	عبداللہ	موضع تاونور ڈاکخانہ اینگلم تھانہ کوٹی پورم ضلع مالاپورم کیرالا
61	7120	محمد جلال ایم	عبدالرحمن	موضع کولاولور ڈاکخانہ تووکن تھانہ کولاولور ضلع کنور کیرالا
62	7121	سید محمد الیاس پی	عبدالکریم	موضع پتندروڈاکخانہ اویور تھانہ تانور ضلع مالاپورم کیرالا
63	7122	محمد آصف	مصطفیٰ	موضع وینگرا ضلع مالاپورم کیرالا
64	7123	حسنب وی پی	محمد	موضع مونیور ڈاکخانہ مونیور ساؤتھ تھانہ ترور نگاڑی ضلع مالاپورم کیرالا
65	7124	صلاح الدین	عزیز	موضع نڈوونور ڈاکخانہ کاول تھانہ بیپاپور ضلع کالی کٹ کیرالا
66	7125	سلمان الفارس	سلیم	موضع ایڈولنگ ڈاکخانہ کاراتھانہ کوڈون کلور ضلع ترشور کیرالا
67	7126	محمد ناصر	محمد	موضع نرامارادور تھانہ ترور ضلع مالاپورم کیرالا
68	7127	محمد جمال این	محمد اسمٰعیل این	موضع نڈیرپ ڈاکخانہ کونڈوٹی تھانہ چریل ضلع مالاپورم کیرالا
69	7128	معین الدین کے پی	محی الدین	موضع پلامندول تھانہ پیرندل منا ضلع مالاپورم کیرالا
70	7129	زین الدین پی	حمزۃ مسلیار	پوناچن ہاؤس موضع کولت ڈاکخانہ کولولمبا تھانہ ایڈپال ضلع مالاپورم کیرالا

71	7130	عبد اللطیف	شمس الدین	موضع کوملاپورم ڈاکخانہ اولوکنو تھانہ آلا پوزانورتھ ضلع آلاپوزا کیرالا
72	7133	عبد القادر	مطیف الرحمن	موضع ملک پور ڈاکخانہ بھاٹول ہاٹ تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
73	7134	محمد عمران رضا	محمد حسنین	موضع گلڑیاڈاکخانہ کانکرکھیڑا تھانہ مونڈا پانڈے ضلع مرادآباد یوپی
74	7139	محمد وسیم رضا	خلیل احمد	موضع زرپت نگر دوندا والا ڈاکخانہ و تھانہ سوار ضلع رامپور یوپی
75	7142	محمد جابر	ابرار حسین	موضع کانکرکھیڑا ڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
76	7157	محمد تسکین رضا	محمد شکیل رضا	موضع ہرنتوڑ ڈاکخانہ و تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
77	7158	محمد ضیاء المصطفیٰ	محمد معین الاسلام	موضع جھینگاکنٹہ ڈاکخانہ مہیش بتھنہ تھانہ بہادر گنج ضلع کشن گنج بہار
78	7159	محمد عابد اختر سبحانی	محمد انعام الحق	موضع بینند پور ڈاکخانہ لکھی پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
79	7160	محمد ادریس رضا	حسنین رضا	موضع نگلیہ عاقل ڈاکخانہ و تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
80	7161	محمد قربان علی	امان اللہ	موضع مرچان ٹولہ ڈاکخانہ دھمسل ہاٹ تھانہ انگڑھ ضلع پورنیہ بہار
81	7163	انعام الحق	محی الدین	موضع نیلو جی ڈاکخانہ کوچیلا گاؤں تھانہ اسلامپور ضلع اتر دیناجپور بنگال

82	7171	محمد اویس رضا	محمد قاسم رضا	موضع ذکری والا ڈاکخانہ و تھانہ افضل گڑھ ضلع بجنور یوپی
83	7173	غلام محمد	انداز حسین	موضع فرید پور حاجی ڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
84	7180	قمر علی	بابو علی	موضع نگلیہ قاسم گنج ڈاکخانہ لالپور تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
85	7181	محمد عارف	مبارک علی	موضع سردار نگر تھانہ بھوجپور مرادآباد
86	7187	معراج الدین	علیم الدین	موضع گجرولہ سید ڈاکخانہ بہیڑی برہمنان تھانہ بھوجپور ضلع مرادآباد یوپی
87	7191	محمد عاصم	چھوٹے	موضع کمال فتح آباد ڈاکخانہ و تھانہ کندرکی ضلع مرادآباد یوپی
88	7193	محمد اظہار راہی	محمد ہاشم	موضع پچھلا ڈاکخانہ سورجاپور تھانہ و ضلع کشن گنج بہار
89	7194	خواجہ محمد منظر	خواجہ عبد الجلیل	موضع بائسی ٹولہ ڈاکخانہ و تھانہ ضلع پورنیہ بہار
90	7195	محمد شمعون	راحت جان	موضع نگلیہ ڈاکخانہ کلاں میولا ضلع رامپور
91	7198	اصغر علی	نظر الاسلام	موضع چاندپور دھوکریا ڈاکخانہ سیتل منی تھانہ اعظم نگر ضلع کٹیہار بہار
92	7199	محمد جمیل	محمد صادق	وارڈ نمبر ۹ چکترو ڈاکخانہ چنڈک تھانہ منڈی ضلع پونچھ جموں و کشمیر
93	7212	محمد شاہجہاں علی	سلیمان	موضع ساسن ڈاکخانہ خاص تھانہ ہمتاباد ضلع اتر دیناجپور بنگال

موضع اگراس تھانہ فتح گنج بریلی شریف	شیر محمد	عبد الستار	7215	94
موضع جاگیر بستی ڈاکخانہ و تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال	بشیر الدین	بلال احمد	7220	95
موضع مہن گچھ ڈاکخانہ لکھی پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال	سیفل	عبد الرزاق	7221	96
موضع کمال پور ضلع سنبھل یوپی	سلامت اللہ	محمد عمران	7225	97
موضع اللہ پور بھیکن ضلع مرادآباد یوپی	مشرف حسین	محمد اویس	7227	98
موضع پانی گھٹہ ڈاکخانہ بلتر تھانہ اعظم نگر ضلع کٹیہار بہار	محمد مشفق عالم	محمد رونق عالم	7228	99
موضع بیل پوکھر ڈاکخانہ پناسی تھانہ پہاڑ کٹہ ضلع کشن گنج بہار	پیر بخش	محمد عابد حسین	7234	100
موضع بیل پوکھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	فضل الدین	محمد سید	7235	101
موضع تال بستی ڈاکخانہ پناسی تھانہ پہاڑ کٹہ ضلع کشن گنج بہار	نور الحق	محمد سہیل رضا	7236	102
موضع کھیر کھاتہ ڈاکخانہ سر کڑہ خاص تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی	قاسم علی	شمع اعظم	7239	103
موضع جمعہ والی ملک ڈاکخانہ مانپور تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی	تسلیم حسین	علیم حسین	7242	104
موضع اداوالابسولی ڈاکخانہ مانپور تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی	محمد یامین	محمد ناظر	7244	105
محلہ پرانی آبادی جیتنی پور ڈاکخانہ سیتاپوری تھانہ مجھولہ ضلع مرادآباد یوپی	زاہد حسین	مشرف علی	7245	106

107	7248	محمد عمران	دلشاد حسین	موضع کانکر کھیڑ اڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
108	7251	انعام الحق	تسلیم الدین	موضع دنگاپاڑہ ڈاکخانہ لکھی پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
109	7275	محمد عابد	زاہد حسین	موضع بیل جوڑی ڈاکخانہ و تھانہ کونڈا ضلع اودھم سنگھ نگر اترا کھنڈ
110	7279	ارشد	اسلم خان	موضع ڈھاکہ ڈاکخانہ امیر نگر تھانہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری یوپی
111	7293	استخار	ظفریاب	موضع دولپوری تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد
112	7294	محمد رضوان	محمد غفران	موضع کانکر کھیڑ اڈاکخانہ سلطانپور تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
113	7295	محمد طارق	محمد یونس	موضع رسول پور ہمیر ڈاکخانہ فتح پور خاص تھانہ میناٹھیر ضلع مرادآباد یوپی
114	7297	صدام حسین	ابن حسن	موضع رتن پورہ شمالی ڈاکخانہ مرسینہ تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
115	7305	محمد حنیف	باغ حسین	موضع تاڑاں والی ڈاکخانہ بفلیاز تھانہ سرنکوٹ ضلع پونچھ جموں وکشمیر
116	7309	محمد وسیم	ذخیر احمد	موضع کھابری اول ڈاکخانہ خاص تھانہ بلاری ضلع مرادآباد یوپی